روحِ اسلام

کشفی

روح اسلام

پیرزادہ کشفیؔ الاسدی

دفتر "روح اسلام" ملتان شہر

کتابت میاں شیر محمدؒ صاحب خوشنویس ملتان نے کی
کتاب زیر اہتمام محمدؒ اکبر خاں ترین ملتان الیکٹرک پریس ملتان
میں طبع ہوئی

وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُقْتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِن لَّا تَشْعُرُونَ

شہادت نامہ

المعروف بہ

روحِ اسلام

جلد اول

(اردو نظم میں شہید کربلا امام حسین علیہ التحیہ والثنا کے سوانح حیات)

چکیدۂ قلم

پیرزادہ کشفی الاسدی

پہلا اڈیشن	بے جلد	ایک ہزار
خاص اڈیشن	مجلّد	دوسو پچاس

ربیع الاول سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق جولائی ۱۹۳۲ء

انتساب

عالیجناب سیادت مآب خان بہادر سید حسن بخش صاحب گردیزی مدظلہ

رئیس اعظم و بانیِٔ باب العلوم ملتان کی خدمات دینی و ملّی کا اعتراف

کرتے ہوئے میں اپنی اس ناچیز کاوش کو آپ کے اسمِ گرامی

کے ساتھ منسوب کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

کشفی

اظہارِ تشکّر

میں عالیجناب سیادت مآب سید محمدؒ حامد شاہ صاحب گردیزی رئیس اعظم ملتان کا بے حد ممنون ہوں جن کی زیر سرپرستی مجھے اس اہم کام کی تکمیل کا حوصلہ ہُوا۔

کشفی

فہرست

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
ہر ہر بات پہ بیہم	ہر ہر بات پہ پیہم	۲۹	۷ مصرع ثانی
مئے غفلتی	مئے غفلت	۲۹	۸ مصرعہ ثانی

میرا خاص شکریہ

قبلہ محترم جناب سید ابن حسن صاحب جارچوی ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل
میرے خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے ازرہِ ذرہ نوازی
"روح اسلام" پر مقدمہ تحریر فرمایا۔ پڑھتا ہوں اور شرمندہ ہوتا ہوں
میرے لئے یہی فخر کافی ہے۔ کہ اپنے ایک محترم دوست کے ہاتھوں
شرمندہ ہو رہا ہوں۔ بہرحال شکریہ ادا کرتا ہوں یہ سمجھ کر ؎

ہرچہ از دوست مے رسد نیکوست

خاکسار کشفی

(نو بہار الیکٹرک پریس ملتان شہر میں چھپا)

مقدمہ

(از جناب قبلہ ابن حسن صاحب جارچوی ایم۔ اے۔ او ایل)

جن لوگوں نے قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں پڑھی ہیں اور فلسفۂ جذبات سے پورے طور پر واقف ہیں وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ شاعر نے قوموں کی حالت بدلنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔

عرب کی داستانیں پڑھو۔ یونان کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو۔ تم شاعر کو ہر جگہ پیش پیش پاؤ گے کبھی وہ تغافل شعار قبیلے کو اٹھاتا ہے کبھی فتنہ و فساد کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اپنے دامن سے ہوا دیتا ہے۔ کبھی صلح کا فرشتہ بنکر برسوں کے روٹھے ہوئے لوگوں کو شیر و شکر کر دیتا ہے۔

جب سے انسان ہے شعر بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود چلا آرہا ہے نسل انسانی کے ہر دور میں شاعر نے دنیا پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ اگر یونانِ قدیم کے شہروں کی گلیوں میں ہم کو ہومر کے گیتوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو دو چار دن کی بات ہے کہ ہم اسی یونان میں بائرن کی حریت پرور نظم سنتے ہیں۔ ان دو نوں شاعروں نے اپنے اپنے وقت میں قوم کی حالت بدلنے میں کافی کوشش کی ہے۔

عرب کے وہ جاہل قبیلے جو دنیا کے کسی قانون کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتے تھے۔ جن کو کفر و معصیت کی زندگی ہی میں مزا آتا تھا۔ ہوا اور ہوس کے دیوتا کے بعد اگر کسی سے متاثر ہوتے تھے تو وہ شاعر ہی تھا۔

دل جذبات کا منبع ہے اور جذبات شعر کی تخلیق کا باعث ہوتے ہیں۔ شاعر جو کچھ دیکھتا ہے اس سے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ پھر اس جذبہ کو حسن و خوبی کے ساتھ دوسروں کے سامنے پیش کر دیتا ہے عام لوگوں میں اور شاعر میں یہی تو فرق ہے جن چیزوں پر عام آدمی نظریں ڈال کر گذر جاتے ہیں۔ شاعر کی دُور رس نگاہیں ان میں بہت سی باریک باتیں ڈھونڈ نکالتی ہیں۔

واقعۂ کربلا جو عالم کی تاریخ میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں نظم کیا جا چکا ہے خود ہماری اردو زبان میں دبیر اور انیس جیسے خلاقِ معانی اور خدایانِ سخن ہو گذرے ہیں۔ جنھوں نے اس واقعۂ کربلا کے ہر پہلو کو حسن و خوبی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

مغربی شاعری نے اردو علم ادب میں جو انقلاب پیدا کیا ہے اس سے کون ناواقف ہے۔ مدت سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ کہ جدید انداز میں واقعۂ کربلا کو مسلسل نظم کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے مختلف لوگوں نے اس طرف توجہ بھی کی۔ مگر شاید یہ سعادت جناب محترم کشفی صاحب ہی کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔ کہ وہ سب سے پہلے ایسی نظم لکھکر اردو علم ادب پر احسان فرمائیں۔ میں نے اس نظم کو فاضل مصنف کی پیاری آواز میں کئی بار سنا ہے۔ حق یہ ہے کہ کسی واقعہ کو اس طرح نظم کرنا کہ شعریت قائم رہے اور تاریخ سے ساتھ نہ چھوٹے بہت مشکل ہے۔

کشفی صاحب کی قادر الکلامی اس سے عیاں ہے کہ انھوں نے اس دشوار گزار میدان کو نہایت حسن و خوبی سے طے کیا ہے۔ بعض مقامات پر تو تخیل میں اس قدر بلندی پیدا ہو گئی ہے کہ بیساختہ واہ منہ سے نکل جاتی ہے مثلاً شب عاشورہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

یہ شب وہ تھی کہ جس کے خوف سے تارے اُترتے تھے
زمیں کو زلزلہ تھا آسماں سارے لرزتے تھے

خموشی اپنے اندر شورِ محشر لے کے بیٹھی تھی
سیاہی آستیں میں تیز خنجر لے کے بیٹھی تھی

اجل پر زے اُڑانا چاہتی تھی رختِ ہستی کے
مٹانا چاہتی تھی نقش اِس دنیا کی بستی کے

یہ وہ شب تھی جو اہلِ بیت پر ہو کر گراں گذری
یہ وہ شب تھی کہ جو زندوں پہ ہو کر نوحہ خواں گذری

حسین ابنِ علی شب بھر رہے یادِ الٰہی میں
جلائیں بندگی کی مشعلیں شب کی سیاہی میں

صبحِ عاشورہ کی تصویر کس قدر دلکش انداز میں کھینچی ہے ؎

ہُوا جب دامنِ شب چاک گردوں تھر تھرا اُٹھے
زمیں چکر میں آئی دشت دہاموں تھر تھرا اُٹھے

مصیبت کے تصور میں ستارے کھو گئے ایسے
کوئی یکتنگ آ گئے آغوشِ فنا میں سو رہے جیسے

سپیدیِٔ سحر کیا تھی۔ بیاضِ غم کا عنواں تھی
شفق کیا تھی فقط اک سرخیِٔ خونِ شہیداں تھی

جب حسین علیہ السلام "زمین کربلا" پر پہنچ گئے ہیں اور رہوار نے چلنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت ہر چند کوشش کرتے ہیں مگر گھوڑا قدم نہیں بڑھاتا اس موقعہ پر فاضل مصنف نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کھڑے ہونے کی یہ حالت تھی اسپ کوہ پیکر کی
تراشی ہو کسی نے جس طرح تصویر پتھر کی

میدانِ کربلا کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے ؎

وہ میداں جس میں پانی کا نہ تھا نام و نشاں پیدا
وہ میداں ہو نہیں سکتا کوئی پودا جہاں پیدا

وہ میداں جو کہ تا حدِ نظر وسعت بداماں تھا
وہ میداں جو افق تک اک بیاباں ہی بیاباں تھا

وہ میداں جو کہ تھا غولِ بیابانی کا گہوارہ
وہ میداں جس میں پھرتے تھے بگولے ہو کے آوارہ

وہ میداں جس میں جھونکے بادِ صرصر کے گزرتے تھے
وہ میداں جس میں وحشی بھی قدم رکھنے سے ڈرتے تھے

مندرجہ بالا مثالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرقع نگاری میں فاضل مصنف کا معیار بہت بلند ہے۔

جب عبیداللہ ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوتا ہے اور سنتا ہے کہ کوفہ والوں نے بیعت توڑ دی ہے تو جامع مسجد میں تقریر کرتا ہے جس میں کبھی ڈراتا ہے اور کبھی لالچ دیتا ہے۔ اس تقریر کو مصنف نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

یزیدِ نیک خصلت کو بھی تم نے آزما دیکھا
اے ہمدرد پایا اور اپنا ہمنوا دیکھا
ہے وہ بھی باپ کی مانند تم پر مہرباں کیسا
ہے اس کے عہد میں خوشحال ہر پیر و جواں کیسا
وظائف میں بھی ہیں اس نے اضافے کر دیئے کیسے
غریبوں کے بھی دامن زر سے اس نے بھر دیئے کیسے
میں اس شاہِ فلک اورنگ کا پیغام لایا ہوں
اور اس کے ساتھ لطف و عیش کا سامان لایا ہوں
خزانہ شہر کوفہ کا تمہاری نذر ہونا ہے
اٹھا لے جائیے حاضر یہ چاندی ہے یہ سونا ہے

میرے خیال میں شاعر نے ان چند شعروں میں اس دور ظلمت کی سیاسیات کا خلاصہ بھر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سزا کا خوف اور مال و دولت کا لالچ ہی تھا۔ جو اس وحشت کے زمانہ میں ظالم بادشاہوں کے منصوبوں کو کامیاب بنا سکتا تھا۔

حسینؑ اور اسکے رفقا پر تین دن سے پانی بند ہے کوفہ والے ان کو چھیڑنے کیلئے دور سے پانی دکھاتے ہیں اور اس کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں ؎

قصیدہ خوانیاں کرتے ہیں۔ وہ آبِ مصفا کی
دکھاتے ہیں وہ لفظوں میں روانی آبِ دریا کی
کبھی کہتے ہیں پانی کو زلالِ آبِ باراں ہے
کبھی کہتے ہیں یہ پانی نہیں یہ آبِ حیواں ہے
غرض سو سو طریقے سے ستم کے ڈھب نکالے ہیں
زبانیں تو نہیں یہ سانپ ہیں جو منہ میں پالے ہیں

اعدا کی زہر افشانی کو آخری مصرعہ میں جس لطیف طریقہ سے ادا کیا گیا وہ لائق مصنف کا حق ہے

میں بار بار اس مصرعہ کو پڑھتا ہوں اور لطف اندوز ہوتا ہوں۔

وطن سے چھٹنے کا غم سب کو ہوتا ہے نبی و ولی اس کلیہ سے مستثنے نہیں، اور پھر وطن بھی کیسا، نبی کا مدینہ، جہاں پیدا ہوئے پلے۔ پروان چڑھے جوان ہوئے اور اب جب صبح زندگی کی شام قریب تھی۔ یکایک ہمیشہ کی جدائی کے لئے تیار ہونا پڑا۔ دوستوں کے چھٹنے کا غم۔ نانا کے روضہ کی مفارقت۔ مانوس در و دیوار کی خاموش الوداع کا منظر ایسا نہ تھا جو دل پر اثر انداز نہ ہوتا۔ شاعر نے اس منظر کی تصویر حسب ذیل لفظوں میں کھینچی ہے ؎

وُہ موسم جس میں صحرائے عرب کی ریت تپتی ہے
فلک سے آگ بارش کی طرح پیہم برستی ہے

وُہ موسم جس میں شعلے رقص کرتے ہیں فضاؤں میں
چھلاوے ناچتے رہتے ہیں زہریلی ہواؤں میں

وُہ موسم جس میں پتھریلی چٹانیں ٹوٹ جاتی ہیں
کسی بدبخت کی تقدیر بن کر پھوٹ جاتی ہیں

وُہ موسم جس میں ٹیلے آتشیں کرنوں سے جلتے ہیں
گذرتے ہیں اگر جھونکے تو بچ بچ کر نکلتے ہیں

اسی موسم میں امت نے نکالا گھر سے سرور کو
سفر پر کر دیا مجبور فرزند پیمبر کو

وطن کی آخری شب بھی قیامت خیز ہوتی ہے
پگھل جاتے ہیں جس سے دل وہ درد انگیز ہوتی ہے

وہ خوش اقبالیاں۔ خوشحالیاں وہ جملہ توقیریں
گذشتہ زندگی کی سامنے پھرتی ہیں تصویریں

وطن کا جذبۂ الفت بھی دل میں جوش کھاتا ہے
ہر اک منظر خیال و خواب بن کر یاد آتا ہے

عزیز و اقرباء کے چھوڑنے کا غم ستاتا ہے
جگر بیتاب ہوتا ہے۔ کلیجا منہ کو آتا ہے

سائنس کا بُرا ہو۔ کہ اس نے انفرادی شجاعت کا خاتمہ کر دیا ہے۔

میلوں کے فاصلے پر توپیں لگی ہوئی ہیں ایک آدمی بیٹھا ہوا چلا رہا ہے اور ہزاروں آدمی ہیں کہ چنے کے دانوں کی طرح بھنے جا رہے ہیں مگر ہمارا شاعر جن دنوں کا ذکر کر رہا ہے۔ وہ انفرادی شجاعت کا زمانہ تھا۔ بہادر دندناتے ہوئے میدان میں اُترتے تھے۔ رجز پڑھتے تھے۔ جب "مدمقابل" سامنے آجاتا تھا۔ دونوں فن حرب کے کمالات دکھاتے تھے لائق شاعر نے فوج حسینی کے علمدار حضرت عباس کی رزم کا حال بیان کرتے ہوئے اس زمانہ کی میدان آرائی کا نقشہ پیش کیا ہے ؎

علمدارِ حسینی جا رہے ہیں بہرِ سقائی ؏ سلامی کیلئے جھکتا ہے فرقِ چرخِ مینائی
کنارِ آب پر فوجیں کھڑی ہیں بہرِ دارو گی جہاں دیکھو وہیں موجود ہے صفِ نابکارو گی

حضرت عباس کا ارادہ ہے کہ دریا کی طرف بڑھیں۔ مگر فوجوں کی صفیں درمیان میں حائل ہیں ؎

نگہ جس سمت جاتی ہے۔ علم تلوار ہے گویا ؏ صفِ فوجِ عدو اک آہنی دیوار ہے گویا ؏
بڑھی یہ فوج اور عباس پر حملہ کیا اس نے دکھادی جور و استبداد کی بس انتہا اس نے

عرب کے قدیم دستور کے مطابق حضرت عباس نے میدان میں آکر رجز پڑھا ہے۔

تم اے کج خلق انسانو! بھلا یہ کیا سمجھتے ہو ؏ ہمارے قتل کو آساں سا اک عقدہ سمجھتے ہو
نکالیں گے تمہاری گردنوں سے خون کی دھاریں ہمیں ہیں لبکہ نسلِ ہاشمی کی تیغ تلواریں

عباس کا ولولہ خیز رجز سنکر فوجِ اعدا برافروختہ ہوئی اور حملہ شروع ہو جاتا ہے۔ شاعر نے اس منظر کو عجب پیرایہ میں بیان کیا ہے ؎

رجز سنکر سپاہِ شام غصے میں بھڑک اُٹھی
عدو کی فوج بجلی کی طرح ہر سو چمک اُٹھی

مگر حضرت عباس کچی گولیوں کے کھیلے ہوئے نہیں تھے انہوں نے اپنی خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے شروع کئے ؎

پچھاڑا ایک ہی ہلّے میں نامی پہلوانوں کو،
سلایا گرم ریتی پر بہادر نوجوانوں کو،

مارد پہلوان برسر پیکار ہے اور کہہ رہا ہے ؎

نہیں اُمید تو اور میرے ہاتھوں سے نکل جائے
بہت دشوار ہے تو اور مجھ سے چال چل جائے
مگر تیری جوانی دیکھ کر کچھ رحم آتا ہے،
تیرا حسن و تحمل مجھ کو رہ رہ کر ستاتا ہے
ترس کھا اپنی حالت پر تو میدان چھوڑ دے جلدی
تو اپنی پھینک دے تلوار نیزہ توڑ دے جلدی

حضرت عباس نے نہایت پرزور الفاظ میں اپنے حریف کے رجز کا جواب دیا ہے ؎

کہا عباس نے او دشمنِ دینِ خداوندی
تمہارے واسطے اچھی ہے بے رحمی کی پابندی
مگر مشکل ہے تو اور مہرِ انور کے مقابل ہو
تو اک قطرہ صفت ہو کر سمندر کے مقابل ہو
ترا للکارنا کچھ مجھ پہ وحشت لا نہیں سکتا،
ترے اس چیخنے سے رعب دل پر چھا نہیں سکتا
جواں مردی کا شیوہ ہے کہ وہ تلوار سے کھیلے
جوانی نام ہے اس کا کہ وہ سو آفتیں جھیلے

قافیہ کا بے ساختہ پن دیکھئے اور شاعر کی داد دیجئے

یہ سنکر گفتگو مارد بڑھا عباس پر جھپٹا
گرا لوں گا میں مردِ شیر کو اس آس پر جھپٹا

تخیل کی بلند پروازی اور قادر الکلامی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ کہ رزم کی پوری کیفیت ایک

شعر میں نظم کردی ہے ؎

جناب حضرتِ عباس نے وہ زور دکھلائے
کہ مارد کو بوقتِ دوپہر تارے نظر آئے

اللہ اللہ شعر میں کس بلا کی قوت ہے۔ یہی الفاظ نثر میں بے اثر معلوم ہوتے ہیں مگر جب شاعر ایک صناع کی طرح ان نگینوں کو جڑ دیتا ہے تو کلام میں زور بڑھ جاتا ہے۔

الغرض اول تو حسینؑ کا فسانۂ شہادت خود ہی جاذبِ توجہ ہے اس پر حضرت کشفی صاحب کے مصورِ درد اور ترجمان حقیقت قلم نے تو اپنی دلچسپ اردو میں اس قدر دلکش بنا دیا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس کو بار بار پڑھا جائے۔ خدا مصنف مدظلہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے میں مسلمانوں سے خصوصاً اور علم دوست حضرات سے عموماً یہ استدعا کرونگا۔ کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کر کے مصنف کی حوصلہ افزائی فرماویں ؂

سید ابن حسن جارچوی

احوالِ واقعی

واقعاتِ کربلا کے متعلق دُنیا میں اس قدر لٹریچر موجود ہے کہ اُس میں اضافے کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ محبتِ اہلبیت میں سرشار طبیعتیں ہل من مزید کی رٹ لگائے چلی جاتی ہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے۔ اسلام کے نام لیوا باقی ہیں۔ محسن اسلام سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کے کارنامے کبھی بھی فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ قیامت تک شعراء برابر حسینؑ کے مرثیے لکھتے چلے جائینگے۔ دنیا تو محشر کی سختیوں سے حیران و پریشان ہوگی۔ مگر شعرا دانتوں میں قلم دبائے ایک نئے مرثیے کی فکر میں مستغرق ہونگے۔

"یہ ہے حسین علیہ السلام کے کارناموں کی محبوبیت اور جاذبیت"

حسینؑ مظلوم کا ماتم ہر سال ہوتا ہے اور ہر سال ہر مذہب و ملت کے لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ دنیا کی تمام قوموں کی مشترکہ ملکیت ہے حسینؑ فقط مسلمانوں ہی کیلئے شمع ہدایت نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے مشعل ہدایت ہے جس قوم نے حسینؑ کے فلسفہ حیات کا مطالعہ کیا وہ قوم قوم بن گئی۔

قومیں اصولوں سے بنتی ہیں حسینؑ وہ ہے جس نے اصول پر جان دے دی۔ تمام مصیبتوں کو لبیک کہا۔ مگر اصول حقہ کو نہ چھوڑا۔ آج بھی اگر مسلمان اسلامی اصولوں کے پابند ہو جائیں اور حسین علیہ السلام

کی طرح اپنی جان و مال کی پروا نہ کریں۔ تو انہیں دینی و دنیوی معاملات میں ظفرمندی حاصل ہو سکتی ہے
"اے کاش۔ برادرانِ اسلام حسین پرستی ہی نہ کرتے۔ بلکہ اُن اصول کو دل میں جگہ
دیتے۔ جن اصولوں پر حسینؑ نے اپنی عزت۔ حرمت اور جانِ عزیز تک قربان کر دی
اپنے مٹھی بھر لشکر سے ہزاروں کا مقابلہ کیا۔ انصار کٹ گئے۔ خود کٹ گیا۔ مگر اسلام
کے آئین کی توہین ہوتے گوارا نہ کی۔

میں نے اپنی اس نظم میں حسین علیہ السلام کے مشن کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیرت اور
اخلاق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ باقی تاریخی واقعات کو مختصراً بیان کرتا چلا گیا ہوں تاکہ ماحول کا اندازہ ہو سکے
ولادت سے لیکر شہادت تک کے تمام واقعات جو تاریخی حیثیت سے صحیح معلوم ہوئے۔ میں
نے نظم کر دیئے اور کوشش کی ہے۔ کہ تخیل سے بچتا رہوں۔ چنانچہ میں نے عمداً تخیل سے روگردانی اختیار
کی۔ اور واقعات کو سیدھے سادھے الفاظ میں بیان کر دیا۔ کچھ عجب نہیں کہ شاعرانہ حیثیت سے نظم سرسبز نہ
ہوئی ہو۔ اور خشک مضامین کی بھرمار ہو۔ مگر مرے دوست مجھے معاف رکھیں گے۔ کیونکہ میرے زیر نظر
تاریخ تھی نہ کہ شاعری۔

میں نہیں کہ سکتا کہ مری اس تاریخی نظم میں زباں کی کس قدر خامیاں ہونگی۔ اور کس قدر لغزشیں
کیونکہ نہ تو میں اہل زباں ہوں اور نہ ہی زباندان۔ ملتان جو زبان اردو کے اثرات سے بہت دور واقع ہے اس
قابل نہیں۔ کہ اسکی فضا میں پرورش پانے والا کوئی ملتانی زباں اُردو کا ادیب بن جائے۔ میں نے جو جسارت
کی ہے۔ وہ جذبات سے مجبور ہو کر۔ نہ کہ بزعم ہمہ دانی۔ امید ہے کہ نقادانِ فن مری ان مجبوریوں کو مدنظر رکھکر
مجھے اپنی خدنگ افگنیوں کا نشانہ بنا کر شرمندہ نہ ہونگے۔

آج سے چار سال پیشتر کی بات ہے۔ کہ میں نے نظم لکھنا شروع کی۔ ناطق مرحوم زندہ تھے میں نے کئی ایک حصے انہیں دکھائے۔ انہوں نے بصد شفقت نظم میں کہیں کہیں اصلاح بھی فرمائی۔ اور مشورے بھی دیئے۔ آج افسوس وہ زندہ ہوتے تو میں نہایت ادب سے ان کا شکریہ ادا کرتا۔ خیر اب میں ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ کہ خداوندِ قدوس انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

سید اکبر علی صاحب سروش بخاری مرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ اکثر اوقات مری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اور مجھے اپنے زریں مشوروں سے مستفید کرتے رہے۔

میں جناب محمد اسد خانصاحب اسد کا بیحد ممنون ہوں۔ کہ آپ نے نظم کے کچھ حصے بنظرِ اصلاح دیکھے۔ اور جہاں مناسب معلوم ہوا اصلاح بھی فرمائی۔ افسوس کہ آپکا قیام ملتان میں تھوڑے عرصے کیلئے تھا میں ساری نظم آپ کی نظر سے نہ گذار سکا۔ ورنہ کچھ عجب نہ تھا کہ میں اپنی نظم کے متعلق کسی حد تک مطمئن ہو جاتا بہر حال میں اسد صاحب کا احسان مند ہوں اور ان کے اس تھوڑے احساں کو بھی بہت بڑا احساں سمجھتا ہوں

معشوق کا تھوڑا سا بھی احساں بہت ہے

جناب محمد شاہ ولی یمینی اور جناب عاصی نظامی نے بھی نظم کے اکثر و بیشتر حصے دیکھے میں انکی اس تکلیف کا بھی بیحد شکر گذار ہوں۔

عالیجناب خان بہادر سید حسن بخش صاحب گردیزی مدظلہ‌العالی جو بذات خود اعلےٰ درجے کے ادیب شاعر اور سخن شناس ہیں، اکی خدمت بابرکت میں میں نے اپنی نظم پیش کی۔ حضور والا نے بصد شفقت و مہربانی اسے دیکھا۔ پڑھا اور خاکسار مصنف کی زبانی سُنکر بعض بعض مقامات پر اصلاح و ترمیم بخشی۔ میں آپ کی ان بزرگانہ عنایات کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔

اپنے ہندو دوستوں میں سے رئیس عالیجناب پنڈت جیون لال شوق کاشمیری رئیس ملتان چھاونی اور لالہ بالکشن بترہ آنریبل۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل ملتان کا بھی بیحد ممنون ہوں۔ کہ آپ اکثر اوقات بڑی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

ہاں اب میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اشاعت کتاب میں مری مدد فرمائی۔

عالیجناب سید محمد نواز شاہ اختر گردیزی رئیس ملتان اور عالیجناب سید عباس حسین شاہ صاحب گردیزی سکرٹری شیعہ یوتھ کانفرنس کا بیحد ممنون ہوں۔ کہ اشاعت میں آپ اکثر دلچسپی کا اظہار فرماتے رہے۔ اور مری مدد کرتے رہے۔

مسٹر راغب حسین صاحب راغب سید حسن رضا صاحب رضا گردیزی اور محمد اکبر خاں ترین طباعت کی بے شمار زحمتوں میں مرے ساتھ شریک رہے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہ جانتے ہوئے کہ ملتان میں طباعت کا انتظام تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی جان بوجھ کر ٹھوکر کھائی۔ اور اس سلسلے میں مجھے لاتعداد مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مہینہ اور کئی دن اوپر برابر مجھے پریس والوں کی خوشامدیں اور نازبرداریاں کرنا پڑیں۔ ملتان میں تین پریس ہیں۔ ہر ایک پریس نے تھوڑا بہت حصہ ضرور لیا ہے کتاب کا زیادہ حصہ ملتان الیکٹرک پریس میں چھپا۔ میں ملک غلام جیلانی صاحب ڈنگوی اور میاں فیروز دین صاحب لاہوری مشین مین اور مالک پریس کا بہت ممنون ہوں۔ کہ کتاب چھاپنے میں انہوں نے پوری توجہ برتی۔

اخیر پر میں میاں شیر محمد صاحب خوشنویس کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے بھی کتابت کرتے ہوئے کمی نہیں کی۔ اور محنت و کاوش کا ثبوت دیا ہے

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

خاکسار کشفی

تمہید

خدا کی حمد میں مصروف ہے طبع رواں میری
ترانے اُسکی وحدت کے سُناتی ہے زباں میری

نہیں اُس کا کوئی ہمسر نہیں ان کا کوئی ثانی
سمجھنے کیلئے اُس کو ہے عاجز عقل انسانی

خدا وہ ہے۔ کئے جس نے زمین و آسماں پیدا
کہا اک لفظ کن اور کر دیئے دونو جہاں پیدا

مہیا کر دیئے پھر سینکڑوں سامان نعمت کے
چنے فرشِ زمین پر اُس نے دستر خوان نعمت کے

کیا پھر اُس نے مخلوقات سے آباد عالم کو
زمانے کی خلافت بخش دی فرزندِ آدم کو

تسلط کر لیا۔ آدم کے بیٹوں نے زمانے پر
ہوئے آمادہ اپنے فطرتی جوہر دکھانے پر

زمیں پر کُشت و خوں ہونے لگا لڑنے لگے باہم
وُہ ہر ہر بات پہیم اُلجھ پڑنے لگے باہم

خدا کو بھول کر شیوہ کیا شیطاں پرستی کا
اثر چھایا دماغوں پر مئے غفلت کی مستی کا

ضلالت گمرہی اور بیحیائی چھا گئی دل پر
تکبّر۔ خود پسندی۔ خود نمائی چھا گئی دل پر

خدا کی شان! پھر کرنے لگے دعوے خدائی کا
لگے انکار کرنے کبریا کی کبریائی کا

یہ حالت دیکھ کر شانِ ربوبیّت کو جوش آیا
تغافل دیکھ کر انساں کا رحمت کو جوش آیا

پئے اصلاحِ انساں۔ پئے بہ پئے پیغامبر بھیجے
پیمبر بھی اگر بھیجے تو ہم شکل بشر بھیجے

کہ انساں اُن کے قدموں پر چلے۔ خالق کو پہچانے
خدا کا عبد ہو کر۔ ایزدی احکام کو مانے

ہوئے جو جو عمل پیرا۔ خدا نے اُنکو عزت دی
حکومت زندگی میں۔ زندگی کے بعد جنت دی

ہوئے جو منحرف اُنکا ٹھکانا ہی نہ تھا کوئی
نہ تھا اُن کا ٹھکانا قعرِ دوزخ کے سوا کوئی

ہزاروں پیشوا۔ آئے ہزاروں انبیاء آئے
سُنانے کے لئے دنیا کو پیغام خدا۔ لائے

مگر انسان پر شیطان کا غلبہ رہا غالب
خدا سے منحرف ہو کر ہوئے شیطان کے طالب

صنم خانوں کو رونق دی بتوں کو پیشوا مانا
انہیں اپنا خدا جانا۔ اور اپنا دیوتا مانا

وہ اُنکے سامنے جھکتے بھی تھے اور سجدہ کرتے تھے
مرادیں مانگتے تھے۔ اور صدقے میں اُترتے تھے

دلوں میں کُفر و معصیّت نے اپنا گھر بنایا تھا
بُتوں کے پیکرِ سنگیں سے کعبے کو بسایا تھا

شرابِ ناب کو وہ طیّب و طاہر سمجھتے تھے
بد اخلاقی میں اپنے آپ کو ماہر سمجھتے تھے

لڑائی اور خونریزی میں اُن کو لطف آتا تھا
ہمیشہ فتنہ انگیزی میں اُن کو لطف آتا تھا

وہ بے بہرہ تھے تہذیب و تمدن کی ہواؤں سے
وہ تھے ناآشنا "اللہ اکبر" کی صداؤں سے

یکایک وادیِ فاراں سے چمکا نورِ یزدانی
زمانہ ہوگیا نورانیّت سے جس کی نورانی

یکایک طاقِ زینت سے گریں پتھر کی تصویریں — بدل دیں ایک ہی جھٹکے میں انسانوں کی تقدیریں

صدا اُٹھی مبارکباد کی شاہِ ھُدا آئے — شہِ ہر دو سرا آئے محمدؐ مصطفٰےؐ آئے

خداوندِ دو عالم کا دیا پیغام دُنیا کو — سکھایا از رہِ لطف و کرم اسلام دنیا کو

دیئے اللہ نے اُن کو معاون اور رفیق ایسے — نہیں دیکھے زمانے نے محب ایسے خلیق ایسے

رفیقانِ محمدؐ میں۔ علیؑ سردار تھے سب کے — قسیمِ نار و جنت۔ مالک و مختار تھے سب کے

رسولِ پاک نے ان کو وصی اپنا بنایا تھا — زمانہ کی نظر میں مرتبہ ان کا بڑھایا تھا

بنایا تھا انہیں داماد۔ دے کر نیک خُو بیٹی — وہ بیٹی! پاکدامن۔ نیکدل۔ باآبرو بیٹی!

وُہ بیٹی! جسکے دامن میں پلے شبیرؑ اور شبر — وہ بیٹی سینکڑوں احسان ہیں جسکے زمانے پر

اُسی کی گود میں شبیرؑ نے سیکھی شکیبائی — اُسی سے صبر کی تعلیم لی۔ اور تربیت پائی

اُسی کے گھر سے سیکھا حق پہ جاں اپنی فدا کرنا — اور اپنے ہر ارادے کو سپردِ کبریا کرنا

اُسی سے آپ نے سیکھی رواداری و خودداری — وراثت میں ملی۔ یزداں پرستی و نکوکاری

اُسی کے گھر سے سیکھا سامنے باطل کے ڈٹ جانا
نہ ہٹنا اک قدم پیچھے کو۔ تلواروں سے کٹ جانا

اُسی شبیر کی اب داستاں تحریر کرتا ہوں ‏ مورّخ بن کے نظمِ خونچکاں تحریر کرتا ہوں

تصنّع اور بناوٹ سے مبرّا ہے قلم میرا ‏ دروغ و کذب سے بالکل معرّا ہے قلم میرا

مجھے منظور ہے صدق و صداقت کا بیاں کرنا ‏ مورّخ کی طرح سچّی روایت کا بیاں کرنا

نہیں یہ چاہتا کہ شاعری سے کام لوں میں بھی ‏ تخیّل کی وساطت سے کوئی انعام لوں میں بھی

نہیں یہ چاہتا۔ دنیا سے لوں دادِ سخن کوئی ‏ کرے تعریف مری انجمن میں اہلِ فن کوئی

نہیں مجھکو غرض۔ میں بے نیاز غرضِ مطلب ہوں ‏ برنگِ مہر روشن ہوں۔ برنگ کوکبِ شب ہوں

سبق سیکھا ہے میں نے حضرت شبیّر سے برسوں ‏ لیا ہے درس میں نے شاہِ خیبر گیر سے برسوں

صلے سے بے غرض ہوکر جو کام کرنا ہے ‏ خدا کا کام کرنا ہے اُسی کا نام کرنا ہے"

مسلمانوں پہ مدت سے ہے اک افسردگی طاری ‏ میں کرنا چاہتا ہوں اُن کے ریشوں میں لہو جاری

سناؤں گا حسینؑ ابن علی کی داستاں اُن کو ‏ مٹا کر بزدلی ان کی۔ بناؤنگا جواں اُن کو

میں ان کو کھینچکر لاؤنگا باطل کے مقابل میں ‏ یہی ہے مدّعا لب پر یہی ہے آرزو دل میں

خداوندا۔ مری تحریر میں تاثیر پیدا کر ‏ اثر رکھتی ہو۔ جو تحریر وہ تحریر پیدا کر

مجھے توفیق دے اسلام کی خدمت بجالاؤں ‏ ہے جبتک جان تیرے نام کی خدمت بجالاؤں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولادت جناب امام حسین علیہ السلام

مبارک ہو کہ شاہِ یثرب و بطحا ہوئے پیدا
نبی کے دلربا۔ لختِ دلِ زہرا ہوئے پیدا

ستارہ بن کے جو برسوں خدا کے عرش پر چمکا
وُہی نورِ امامت آج آکر فرش پر چمکا

زیارت کے لئے اُترے فرشتے آسمانوں سے
عبادت کے لئے اُترے فرشتے آسمانوں سے

چلیں جنت سے حوریں اور اتراتی ہوئی آئیں
حسینؑ ابن علیؑ کی لوریاں گاتی ہوئی آئیں

وُہ نو وارد جونہی میدانِ ہست و بود میں آیا
محبت کے لہو کو جسم کے ریشوں میں گرمایا

نبیؐ مشتاق تھے اس نُور کی تصویر کو دیکھیں
علیؑ کو شوق تھا اس پیکرِ تنویر کو دیکھیں

محبت کے قرینے سے اُٹھایا ماہِ تاباں کو
پڑھی "الحمد" چھاتی سے لگایا ماہِ تاباں کو ؏

وہ پہلی صحبتیں عرشِ بریں کی یاد آتی تھیں ؏
طبیعت گُدگُداتی تھی۔ نگاہیں مسکراتی تھیں

خموشی میں اشارے ہو رہے تھے سرِّ وحدت کے
کنائے ہو رہے تھے کچھ امامت سے نبوت کے

دو آئینے مقابل تھے تماشا در تماشا تھا
اِدہر بھی عکس پڑتا تھا اُدھر بھی عکس پڑتا تھا

شبیہِ مرتضےٰ تھی اور تصویرِ محمدؐ تھی !
نمایاں چہرۂ انور سے تنویرِ محمدؐ تھی

نبیؐ کہتے تھے اے شیرِ خدا یہ نُور بھی دیکھا ؟
مرے ہارون کیا تو نے چراغِ طُور بھی دیکھا

یداللہ کا پسر میری کرے گا ایسی امدادیں !
لرز جائینگی جن سے کفر کی سنگین بنیادیں

شہادت امام علیہ السلام کی پیشین گوئی

یہ باتیں ہو رہی تھیں اتنے میں رُوح الامیں آئے
مبارکبادیوں کے ساتھ پیغامِ خدا لائے

کہا یہ باادب ہو کر کہ اے پیغمبرِ داور
مبارک ہو یہ مولودِ سعادتمند و خوش اختر

فقط تو ہی نہیں جو اس سے دم الفت کا بھرتا ہے
یہ وہ ہستی ہے جس پر خود خدا بھی ناز کرتا ہے

مگر اک بات ہے جو آپ کو برسوں رلائیگی
کلیجے میں کسک پیدا کریگی اور ستائیگی

یہ بچہ ناز و نعمت ہی میں جب پل کر جواں ہوگا
تری امت کے ہاتھوں راہیِ باغ جناں ہوگا

بلا کر۔ کربلا میں میہماں کا خوں بہائیں گے
ستم ڈھائیں گے اور عرشِ معلّےٰ کو ہلائینگے

اُڑائینگے تنِ نازک کے پُرزے تیر و پیکاں سے
سرہی سے سناں سے برچھیوں سے تیغِ برّاں سے

جواں بیٹوں کو وُہ میدانِ غربت میں کٹا دیگا
پھلا پھولا ہُوا وہ گلستاں اپنا لٹا دیگا

ملائک آکے اسکی لاش پر آنسو بہائینگے
کرینگے محفلِ ماتم بپا محشر اٹھائیں گے

یہ وہ مظلوم ہے جس کا کہ ماتم روز و شب ہوگا
یہ وُہ ہے۔ جو تری امت کی بخشش کا سبب ہوگا

جہاں میں جب تلک ہیں یہ زمین و آسماں باقی
رہیگی لب پہ دشتِ نینوا کی داستاں باقی

دکھائی خاک پھر جبریل نے اس دشتِ غربت کی
مقدّر تھی شہادت جس جگہ فخرِ امامت کی

عہدِ طفولیت

امامِ دوجہاں گہوارۂ راحت میں سوتے ہیں
ادھر جبریل ہیں۔ سو جان سے قربان ہوتے ہیں

پتنگے کی طرح بے چین ہے شمعِ امامت پر
کئے جاتا ہے دمؔ صلے علےٰ جانِ رسالت پر

خدا کی شان ہے! کس ناز سے شبیر پلتا ہے
انگوٹھہ چوستا ہے دُودھ رس رس کر نکلتا ہے

محمدؐ خود زبانِ پاک بچہ کو چُساتے ہیں
کہیں پیاسی نہ ہو ننھی سی جاں کوثر پلاتے ہیں

یہی بچہ دکھائیگا کئی شانیں امامت کی
کریگا شہ سواری ایک دن مُہرِ نبوت کی

رسول اللہ۔ اشتر کی طرح سے گامزن ہونگے
لئے ہاتھوں میں زلفیں سرورِ غنچہ دہن ہونگے

وُہ دن بھی آن پہنچے یاد ہیں سارے زمانے کو
نواسہ کو بٹھا کر دوش پر تھا فخر نانے کو

حرم سے لے کے مسجد تک وہ آئے بار بار آئے
یہ وہ انداز تھے جن پر محبت کو بھی پیار آئے

یونہی بچپن لڑکپن۔ ناز و نعمت میں گذرتے تھے
یہ ایامِ سعادت۔ عین راحت میں گذرتے تھے

خوشخطی کی مشق

روایت ہے۔ کہ مشق خوشخطی حسنین کرتے تھے
بہم یہ گفتگو زہرا کے نورالعین کرتے تھے

چلو ہم آج کرلیں فیصلہ کس کا ہے خط اچھا
وہی اچھا لکھائی میں رہے جسکا ہے خط اچھا

گئے نانے کی خدمت میں کہ چلکر فیصلہ کرلیں
اور اپنے اپنے دامن گوہرِ امید سے بھر لیں

مگر استادِ عالم نے کہا اے میرے فرزندو
علیؑ کے پاس جاؤ۔ تختیاں لے کر۔ خردمندو!

بتادیگا کہ تم میں کون بہتر۔ کون اچھا ہے
وُہ بابِ علم ہے اور فیصلہ دینے میں یکتا ہے!

مگر مولا علیؑ نے بھی کہا اے میرے فرزندو!!
"تم اپنی والدہ کے پاس جاؤ اے جگر بندو!"

تمہاری ماں ہے شہرِ علم کے سلطان کی بیٹی
مسلّم ہے۔ تمہاری خوشخطی میں منصفی اسکی!!

گئے پھر والدہ کے پاس اپنی تختیاں لے کر
کہا آئے ہیں۔ خدمت میں عدالت کی توقع پر

تقاضا دیکھکر بچوں کا بی بی ہوگئی حیراں!
کہے تو کیا کہے کچھ فیصلہ کرنا نہیں آساں!

یکایک! سوچکر! بولیں! دکھا کر ہار کے دانے
زیادہ چن کے جو لائے وہ خوشخط آپکو جانے!

یہ سنکر موتی چننے کے لئے دوڑے وہ شہزادے
امنگیں تھیں۔ زیادہ چن کے ہر اک پیشتر لادے

چُنے موتی تو دیکھا موتی دونو کے برابر تھے
اشارہ تھا کہ فنِ خوشخطی میں دونو بہتر تھے

مگر اک دانہ باقی رہ گیا تھا جس کے چُننے کو
جھکے وُہ فیصلہ تقدیر کے نقطے سے سننے کو

مشیتّ چاہتی تھی۔ دونو بچوں کی رضامندی
اُسے منظور تھی دونو کی دلجوئی و خرسندی

کہا جبریل سے ذاتِ خدا نے توڑ دے موتی
"کہ دِل شکنی پسندِ خاطرِ اقدس نہیں ہوتی"

غضب ہے۔ آج اُمت اُن پہ سو سو ظلم کرتی ہے
نہیں ایماں سے الفت دولتِ دنیا پہ مرتی ہے

آغازِ مصیبت

محبانِ حسین ابنِ علی ہشیار ہو جاؤ!
ذرا آنسو بہانے کے لئے تیار ہو جاؤ

شہِ دوسرا پر آگیا ہے دن مصیبت کا
خدا محفوظ رکھے آن پہنچا سن مصیبت کا

کہاں خاتونِ جنت ہیں۔ کہاں جوشِ محبت ہے
کہ فرزندِ سعادت مند پر وقت مصیبت ہے

وہ وقت آیا کہ اندازِ زمین و آسماں بدلا
یکایک گردشِ ایّام نے رنگِ جہاں بدلا

یزید کا دربار

یزیدِ روسیہ دربار میں یوں تن کے بیٹھا تھا
وہ گویا لعنتی محفل میں شیطاں بن کے بیٹھا تھا

منوّر تھے در و دیوار اور فانوس جلتے تھے
شرابِ ناب کے لحظہ بہ لحظہ دَور چلتے تھے

حسینانِ پریوش۔ ناچتی تھیں۔ رقص کرتی تھیں
نگاہوں میں سما کر۔ دل کے شیشے میں اُترتی تھیں

یہ وہ منظر تھا۔ جس سے شرم کو بھی شرم آتی تھی
حیا بھی ایسی بزمِ عیش سے پہلو بچاتی تھی

سرِ تختِ خلافت۔ جلوہ گر ناپاک ہستی تھی
نہاں ہر فعل میں اُس کے مسلمانوں کی پستی تھی

نہ تخت و تاج کے لائق نہ وہ اہلِ خلافت تھا
وہ ایسا آدمی تھا جو کہ ننگِ آدمیّت تھا

شریعت اور احکامِ الٰہی کا وہ دشمن تھا
مسلمان خاک تھا؟ وہ چور تھا۔ ڈاکو تھا۔ رہزن تھا

جہاں میں چاہتا تھا گاڑنا وہ ظلم کا جھنڈا
وہ کرنا چاہتا تھا خونِ انسانی سے جی ٹھنڈا

تمنائیں تھیں زوروں پر۔ اُمنگیں تھیں جوانی پر
بہت مغرور تھا بدبخت اپنی کامرانی پر

وہ بد خُو لے چکا تھا ہر جوان و پیر سے بیعت
وہ لینا چاہتا تھا اب فقط شبیرؑ سے بیعت

لکھا فرمانِ سلطانی۔ مدینے کے گورنر کو
کرو بیعت طلب یا قید کر لو ابنِ حیدر کو

قاصدِ ولید کا آنا

وُہ دیکھو! آ رہا ہے سامنے قاصد کمینے کا
بلاتا ہے مرے سردار کو حاکم مدینے کا

مرے آقا کو سب معلوم ہے یہ ماجرا کیا ہے
کہاں کا ایلچی ہے، اور یہ کیسا بلاوا ہے

دربارِ ولید میں جانا

گئے دربار میں دیکھا ولیدِ فتنہ ساماں کو
لئے بیٹھا تھا بہرِ مشورہ ملعون مرواں کو

دکھایا شاہ کو فرماں یزیدِ بے حمیت کا
مفصل طور پر جس میں لکھا تھا ذکر بیعت کا

پڑھا خط شاہ نے تو خون آنکھوں میں اُتر آیا
غضب آلود لہجے میں مخاطب ہو کے فرمایا

"خلافِ آیۂ قرآں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا
کروں میں بیعتِ شیطاں یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا"

ڈبو دوں ایک فاسق کے لئے اسلام کی کشتی
نبیؐ سے دوستی اچھی! خدا سے دوستی اچھی!!!

"مسلماں ہو کے میں اسکے موافق ہو نہیں سکتا!"

"سمجھ کر بوجھ کر رستے میں کانٹے بو نہیں سکتا"

یہ فرماتے ہوئے سبطِ نبیؐ گھر کی طرف آئے
سکونِ دل میسر ہی نہیں پھرتے ہیں گھبرائے

مدینے کی فضا مغموم سی معلوم ہوتی ہے
ہوائے زندگی مسموم سی معلوم ہوتی ہے

مکدّر سا نظر آتا ہے مطلع زندگانی کا
تصوّر ہو رہا ہے نقشۂ دنیائے فانی کا

سفرِ مکّۂ معظمہ

وہ موسم جس میں صحرائے عرب کی ریت تپتی ہے
فلک سے آگ بارش کی طرح پیہم برستی ہے

وہ موسم جس میں شعلے رقص کرتے ہیں فضاؤں میں
چھلاوے ناچتے رہتے ہیں زہریلی ہواؤں میں

وہ موسم جس میں پتھریلی چٹانیں ٹوٹ جاتی ہیں
کسی بدبخت کی تقدیر بنکر پھوٹ جاتی ہیں

وہ موسم جس میں ٹیلے آتشیں کرنوں سے جلتے ہیں
گذرتے ہیں اگر جھونکے تو بچ بچ کر نکلتے ہیں

اُسی موسم میں امت نے نکالا گھر سے سرور کو

سفر پر کر دیا مجبور فرزندِ پیمبر کو

وطن کی آخری شب بھی قیامت خیز ہوتی ہے
نہایت جانگداز ہوتی ہے۔ دردانگیز ہوتی ہے

وہ خوش اقبالیاں۔ خوش حالیاں وہ جملہ توقیریں
گذشتہ زندگی کی سامنے پھرتی ہیں تصویریں

وطن کا جذبۂ الفت بھی دل میں جوش کھاتا ہے
ہر اک منظر خیال و خواب بن کر یاد آتا ہے

عزیز و اقربا کے چھوڑنے کا غم ستاتا ہے
جگر بیتاب ہوتا ہے کلیجا منہ کو آتا ہے

سفر کی تیاری

ادھر سے کارواں سالار کا فرماں ہوا جاری
ادھر سب قافلے والے ہوئے مصروفِ تیاری

یہ منظر دیکھ کر اہلِ مدینہ آہیں بھرتے تھے
"نہ جاؤ چھوڑ کر ہم کو یہی درخواست کرتے تھے

نبیؐ کے لال! کیوں اس شہر کو ویران کرتے ہو؟
ہمیں برباد کرتے ہو ہمیں حیران کرتے ہو؟

یہ باتیں سُن کے دل بھر آیا فرزندِ محمدؐ کا
کہا رو کر مشیت میں نہیں بندے کا کچھ چارا

تمہیں معلوم ہے۔ انسان تو مجبور ہوتا ہے
"وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے"

بس اب اے دوستو رخصت! کہ جاتے ہیں مدینے سے
تمہاری یاد کو ہر دم لگا رکھیں گے سینے سے

نہ بھولے ہیں نہ بھولینگے تمہاری اس اخوت کو
شرافت کو۔ نجابت کو۔ محبت کو۔ مروت کو

امام حسینؑ روضۂ رسول پر

کہا نانا تری امت وطن مجھ سے چھڑاتی ہے
میں اک آزاد بلبل تھا چمن مجھ سے چھڑاتی ہے
ہمارے واسطے بیتاب ہیں امت کی زنجیریں
ہمارے خون کی تشنہ نظر آتی ہیں شمشیریں
وصیت کا تری - اسکو نہیں احساس تک باقی
ہوئی ہے اس قدر بے حس نہیں احساس تک باقی

" مدینہ اب ہمارے واسطے مامن نہیں نانا "
" جہاں کا آب و دانہ ہو گا جائینگے وہیں نانا "

ابھی یہ بات تھی لب پر کہ غش سا ہو گیا طاری
بحالِ خواب - کہتے تھے رسولِ حضرت باری
کہ بیٹا صبر و استقلال سے یہ کام کر جانا
نہ ڈرنا موت سے اور خدمتِ اسلام کر جانا

جنت البقیع میں آنا

ذرا جب ہوش میں آئے تو پہنچے ماں کی تربت پر
بصد اندوہ و غم رخصت طلب کی فاتحہ پڑھکر
ندا آئی مرے نورِ نظر جانا مبارک ہو
خدا کی بارگہ میں لے کے سر جانا مبارک ہو

مبارک ہو تجھے امت کی خاطر جان دے دینا
مگر رسمِ شہادت کو نئی اک شان دے دینا

مزارِ حسنؑ پر آنا

حسن کی قبر سے بھی اک صدائے جانگزا آئی
کدھر کا عزم ہے جاتے کہاں ہو آمرے بھائی

کریگا کون اب آکر یہاں شمعِ لحد روشن
پڑھیگا کون آکر فاتحہ اب برسرِ مدفن

مبارک ہو تجھے شوقِ شہادت میں سفر کرنا
مبارک ہو تجھے اسلام کے دشمن کو زیر کرنا

روانگی

ستارے مٹ رہے تھے رات کی ظلمت گریزاں تھی
افق پر صبحِ صادق کی سفیدی سی نمایاں تھی

اُدہر سلطانِ انجم سمتِ خاور سے نکلتا تھا!!
اِدہر سلطانِ شرق و غرب بھی گھر سے نکلتا تھا

یہ دونو بادشہ قبلے کی جانب بڑھتے جاتے تھے
جہاں رکھتے تھے پاؤں نور کے دریا بہاتے تھے

مآلِ کارِ منزل پر شہرِ دوسرا پہنچے
مدینے کے مسافر سرحدِ مکہ پہ آپہنچے

قیام مکہ معظمہ

نویدِ آمدِ شبیر جب خلقت نے سُن پائی
نکل کر شہر سے حضرت کے استقبال کو آئی

گلی کوچوں میں چرچے تھے کہ پھر شاہِ عرب آئے
حسینؑ ابنِ علیؑ صاحب حشم۔ عالی نسب آئے

قیام شاہ پر سب اہل مکہ ناز کرتے تھے
سعادت جانتے تھے۔ اور دم الفت کا بھرتے تھے

سحر سے شام تک اسلام کی تبلیغ ہوتی تھی
مجالس میں خدا کے نام کی تبلیغ ہوتی تھی

کیا کرتی تھی دنیا اکتسابِ فیضِ روحانی
نہایت مغتنم تھی صحبتِ محبوبِ سبحانی

جاسوسانِ یزید

یہاں تک بھی۔ یزیدِ سفلہ پرور کا اثر پہنچا
بدل کر بھیس چھپ چھپ کر گروہِ فتنہ گر پہنچا

اُدھر حج کے بہانے سینکڑوں خونخوار پھرتے تھے
سرِ شبیر کی خاطر۔ لئے تلوار پھرتے تھے

ادھر کوفے سے نامے آ رہے تھے شہ کو دعوت کے
کہ سب کوفے کے رہنے والے ہیں مشتاق بیعت کے

کوفیوں کے دعوت نامے

لکھا تھا اہلِ کوفہ نے امامت آپ کا حق ہے
خلافت آپ کا حق ہے۔ حکومت آپکا حق ہے

ہمیں فاسق کی۔ فاجر کی حکومت سے بچا لینا
یزیدِ خبث پرور کی۔ خباثت سے بچا لینا

ترے ہوتے ہوئے غیروں کی بیعت کر نہیں سکتے
جو ہیں غاصب کبھی اُنکی اطاعت کر نہیں سکتے

قسم دیتے ہیں مظلوموں کی خاطر جلد آجاؤ
جونہی دیکھو یہ خط کوفہ کی جانب کُوچ فرماؤ

بچاؤ گے نہ ہم کو آج ظالم کی حکومت سے
کرینگے شکوہ کل روزِ قیامت ذاتِ وحدت سے

پڑھا جب خط تو خوں ہمدردیوں کا جوش میں آیا
جواب خط لکھا اور حضرتِ مسلم سے فرمایا

مرے قاصد یہ خط ہے جلد کوفے کی طرف جاؤ
لکھا ہے میں نے جو کچھ کوفیوں کو جا کے سمجھاؤ

مسلم ابن عقیلؑ کوفہ میں

امامِ وقت کا فرمان لے کر آگئے مسلم
دلوں پر کوفیوں کے بن کے ایمان چھا گئے مسلم

ہزاروں کوفیوں نے کر لیا اقرار بیعت کا
نظر کے سامنے پھرنے لگا نقشہ خلافت کا

لکھا شبیر کو مکے سے ہجرت کر کے آجاؤ
جو دل میں مخلصے ہیں سب کو رخصت کر کے آجاؤ

نمایاں ہے یہاں کوفہ میں اطمینان کی صورت
ہر اک کوفی کے رخ سے ہے عیاں ایمان کی صورت

یہ کوفہ واقعی سچے مسلمانوں کی بستی ہے
وہ جن پر رات دن اللہ کی رحمت برستی ہے

یزید کا فرمان عبید اللہ ابن زیاد کے نام

عبید اللہ کو لکھا یزیدِ بے حمیت نے
خبر بھی ہے بغاوت کی ہے کوفہ کی رعیت نے

کرو تم کوچ کوفے کی طرف بصرہ کی وادی سے
مہم یہ فتح ہو گی لشکرِ ابنِ زیادی سے

تغافل کا نہیں ہے وقت بجلی کی طرح جاؤ
مری جانب سے حملہ کوفیوں کو جا کے دھمکاؤ

بتا دو۔ ان کو میں کیا ہوں۔ مری کیسی سیاست ہے
مرا قہر و غضب فتنہ ہے آشوبِ قیامت ہے

لگا دوں گا گھروں میں آگ بستی کو جلا دوں گا
تمہاری سرزمیں میں خون کے دریا بہا دوں گا

عبید اللہ ابن زیاد کوفہ میں

"خطبہ"

عبید اللہ نے پیغام جب مرُدود کا پایا
اُٹھا اور شہرِ کوفہ کی طرف دوڑا ہوُا آیا

ڈرایا اہل کوفہ کو کہ باز آؤ بغاوت سے
بجز اندوہ و غم حاصل نہیں کچھ اس شرارت سے

سمجھ کر بُوجھ کر کیوں بیحیائی مول لیتے ہو
وفا کو بیچتے ہو بے وفائی مول لیتے ہو

تمہیں معلوم ہے اس کام کا انجام کیا ہوگا؟
چلیگی قوم میں تلوار۔ اک محشر بپا ہوگا

یہ بہتر ہے۔ حمایت چھوڑ دو سبطِ پیمبر کی
کہا مانو۔ اطاعت چھوڑ دو سبطِ پیمبر کی

تمہارا حامی و ناصر یزید دادِ گستر ہے
خلیفہ بھی وہی ہے اور وہی مقبولِ داور ہے

کوفیوں کی غداری

عبید اللہ کی تقریر نے وہ وہ اثر ڈالے
کہ ہر کوفی کو اپنی جان کے پڑنے لگے لالے

کہاں وہ عہدِ بیعت اور کہاں قولِ وفاداری
لگے کرنے مسلماں حضرتِ مسلم سے غدّاری

خلل آنے لگا ایمان میں ایمانداروں کے
خطا ہونے لگے کچھ خوف سے اوسان یاروں کے

ادھر سے لوٹ کر پھر اس طرف جانے لگے کوئی
ابھی تو دوست تھے دشمن نظر آنے لگے کوئی

یکایک کوفیوں نے سلسلہ اسلام سے توڑا
عدو سے دوستی کر لی۔ خدا کا راستہ چھوڑا

حسینؑ ابنِ علیؑ سے کر گئے عیّار عیّاری
اسے کہتے ہیں مکاری۔ اسے کہتے ہیں غدّاری

شہادتِ امیر مسلم

ادہر مکّے سے کی شبیر نے کوفہ کی تیّاری
اُدہر شبیر کے قاصد پہ یکدم چل پڑے ناری

تن واحد ہیں مسلمؑ اور غدّاروں سے لڑتے ہیں
مگر ہر وار پر اشرار کے پاؤں اُکھڑتے ہیں

چمکتی ہے۔ جو تیغِ خونفشاں اغیار کے سر پر
گماں ہوتا ہے۔ بجلی گر گئی اشرار کے سر پہ

پریشاں ہو کے بھاگے ہر طرف اک آن میں کوئی
نہ پائی راہ تو گرنے لگے میدان میں کوئی

جو چند اک بچ رہے۔ وہ بھاگ کر دربار میں آئے
مگر کس شان سے۔ کس آن سے اللہ نہ دکھلائے

کہا یہ ہاشمی بس میں کسی پہلو نہیں آتا
پکڑ لیں شیر کو ایسا ہمیں جادو نہیں آتا

عبیداللہ کے قیدی نہیں گے بید کھائیں گے
مگر بے سوچے سمجھے موت کے منہ میں نہ جائیں گے

عبیداللہ نے جب یہ سنا تو سخت گھبرایا
کہا او بزدلو۔ اب تک تمہیں لڑنا نہیں آیا

جوانِ ہاشمی مانا نرالے ہیں زمانے سے
مگر قابو میں آجاتے ہیں حیلے سے بہانے سے

یہاں تو کارگر ہوگی تمہاری حیلہ پردازی
اسی میں ہے ظفرمندی۔ اسی میں ہے سرفرازی

سنی یہ گفتگو تو ہوگیا کچھ حوصلہ پیدا
لڑائی کا ہوا پھر از سرِ نو ولولہ پیدا

رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے تیر و کماں لیکر
چھری لیکر۔ تبر لیکر۔ خنجر لیکر سناں لیکر

کہا مسلم سے۔ تو تجھکو اماں دیتے ہیں آجاؤ
یقین جانو۔ صحیح مانو۔ زباں دیتے ہیں آجاؤ

مگر مسلم نہیں وہ تو کوئی شیرِ نیستاں ہے
گرج کر کہہ رہا ہے خود خدا میرا نگہباں ہے

بس اتنے میں کسی خونخوار نے نیزے کا پھل مارا
لگا کچھ اس طرح چھوٹا جبیں سے خوں کا فوارہ

تنِ واحد پہ بے دینوں نے اتنے تیر برسائے
کوئی گر دیکھ لے ساون کی برکھا یاد آجائے

نہ لائے تاب اور بیتاب ہو کر گر گئے مسلم
مآلِ کار فوجِ اشقیا میں گھر گئے مسلم

پکڑ کر لے گئے دربار میں اور قتل کر ڈالا
نہ کچھ سوچا نہ کچھ سمجھا نہ کچھ دیکھا نہ کچھ بھالا

کعبۃ اللہ سے الوداع

تجھے اے قبلہ گاہِ مومناں۔ ماسن سمجھتا تھا
سکون زندگی اپنا تجھے مسکن سمجھتا تھا
مگر اب انقلابِ دہر کے ہاتھوں پریشاں ہوں
خدا تیرا نگہبان۔ میں رواں سوئے بیاباں ہوں
جدھر اللہ کو منظور ہے اس سمت جاؤں گا
یقیناً پھر میں تیرے پاس دوبارہ نہ آؤنگا
یہ حج بھی اور یہ حجّاج بھی تجھکو مبارک ہوں
دعا دینا سفر کی منزلیں مجھکو مبارک ہوں

دوستوں کی التجائیں

سنا جب دوستوں نے جارہے ہیں شاہ مکّے سے
بہانے سے لئے جاتے ہیں اب گمراہ مکّے سے
تو اپنی التجائیں پیش کیں جانے سے بھی روکا
کہا۔ کوفہ کو مت جائیں کہ آتا ہے نظر دھوکا
نہ بھولیں آپ ان کے نامہ و پیغام پر ہر گز
نہ جائیں آپ ان کے دعوئے اسلام پر ہر گز

الگ ہو جائینگے جب وقت آئیگا مصیبت کا
ہُوا ہو جائینگے جب ابر چھائیگا مصیبت کا

امام علیہ السلام کا جواب

کہا شبیر نے اے دوستو۔ اے مرے ہمدردو!
مجھے جانے دو۔ مجھکو اب سپردِ کبریا کر دو

نہیں معلوم تم کو۔ کیا ہے اسمیں راز قدرت کا
اشارہ ہے مرے ہر کام میں اسکی مشیت کا

وہ دن آتا ہے میرے صبر کا جب امتحاں ہوگا
مرا گلزارِ اہلِ بیت تاراجِ خزاں ہوگا

میں رُوئیدادِ عبرتناک بن کر مرنے والا ہوں
یہ سب کچھ بخششِ امّت کی خاطر کرنیوالا ہوں

سلام اے دوستو! مکّے سے ہے اب قصد جانے کا
تہیّہ کر لیا۔ نانے کی امّت بخشوانے کا

سفرِ عراق

حسینؑ ابن علیؑ کی آج مکے سے ہے تیاری
لئے جاتے ہیں دشتِ نینوا کی سمت کو ناری

مسلماں ہیں ادھر حج کی خوشی میں شاد پھرتے ہیں
اُدھر جاسوس بنکر۔ بانیٔ بیداد پھرتے ہیں

ارادے لے کے آئے ہیں حرم میں خوں بہائینگے
سرِ شبیر کاٹیں گے۔ بڑا انعام پائیں گے

مگر شبیر بھی آگاہ تھے ان کے ارادوں سے
وہ رہنا چاہتے تھے دُور ہی۔ اِن بدنہادوں سے

تدبر دیکھنا اسلام پر احسان دھرتے ہیں
پس از تقریبِ حجِ کعبۃ اللہ کوچ کرتے ہیں

امامِ انس وجاں گر کوچ مکے سے نہ فرماتے
ہزاروں بے گنہ تلوار سے کٹ کٹ کے مرجاتے

یقیناً قوم باہم برسرِ پیکار ہو جاتی
بروزِ حج زمینِ کعبہ۔ لالہ زار ہو جاتی

یہی تھی مصلحت حضرت جو کعبے سے چلے آئے
کہ جائے امن ہے کعبہ کہیں دھبا نہ آجائے

بِنائے خونِ ناحق میرے ہی خوں سے نہ پڑ جائے
عَلمِ خونریزیوں کا پاک وادی میں نہ گڑ جائے

کہیں ایسا نہ ہو انسان تلواروں سے کٹ جائیں
بہائم کی طرح تہذیب کے مرکز سے ہٹ جائیں

نہ ہو جائیں کہیں برباد احکامِ خداوندی
نہ ہو جائے کہیں بدنام اسلامِ خداوندی

منزل تنعیم

(۱)

امامِ انس وجاں مکے سے چل کر آئے تنعیم کو
بہت سے باوفا احباب پہنچے خیر مقدم کو

جنابِ حضرتِ عبداللہ بن جعفر یہاں آ کر
ملے فرزندِ شاہِ دوسرا کو پہلی منزل پر

قسم دے کر کہا۔ عزمِ سفر ہرگز نہ فرمائیں
کہیں ایسا نہ ہو۔ اغیار کے دھوکے میں آ جائیں

نہ ہو جائے کہیں نورِ خدا ناپید عالم سے
ابھی کچھ کچھ منور ہے زمانہ آپ کے دم سے

سنی جب بات حضرت نے تو عبداللہ سے فرمایا
بہت ممنون ہوں شفقت سے تو نے مجھکو سمجھایا

مگر اک امر ہے جس امر پر مامور ہوں میں بھی
سفر در پیش ہے تو کیا کروں مجبور ہوں میں بھی

میں تاوقتیکہ زندہ ہوں۔ یہ یارا ہو نہیں سکتا
خدا کا راز کر دوں آشکارا ہو نہیں سکتا

سنی یہ گفتگو تو ہو گئے خاموش عبداللہ
شراب معرفت پی کر ہوئے مدہوش عبداللہ

بلایا پھر وصیت کے لئے عون و محمدؐ کو
کہا! بیٹا نہ تنہا چھوڑنا فرزندِ احمد کو

یہ سر (گر وقت آپہنچے) تو ماموں پر فدا کرنا
رہو جیتے تو اک دن حقِ فرزندی ادا کرنا

منزلِ ذات العرق

(۲)

فرزدق نامی شاعر کی ملاقات

جنابِ فرزدق حج کیلئے مکے کو جاتے تھے
جو تھا فرضِ خداوندی ادا کرنے کو جاتے تھے

خیامِ شاہ جو رستے میں دیکھے رک گیا شاعر
قرینے سے ادب کے ساتھ دل کے جھک گیا شاعر

حضورِ شاہ میں حاضر ہوا تسلیم کی خاطر
مسائل پوچھنے کے واسطے تعظیم کی خاطر

کریمانہ تلطّف شاہ نے شاعر یہ فرمایا
نہایت خندہ پیشانی سے اپنے پاس بٹھلایا

بہ آئینِ حسن - مابین قیل وقال ہوتی تھی
خوش اخلاقی سے باہم پرسشِ احوال ہوتی تھی

جنابِ فرزدق نے عرض کی یا ابنِ رسول اللہ
یہ عجلت آپ سے کیونکر ہوئی یا ابنِ رسول اللہ

کہ پیش از حجِ کعبہ آپ مکّے سے چلے آئے
جو تھا فرضِ خدا وہ بھی ادا کرنے نہیں پائے

کہا شبیر نے اے فرزدق یہ شانِ قدرت ہے
رہوں محروم حج - شاید یہی اس کی مشیّت ہے

چلا پھر تذکرہ کوفے کا اور اربابِ کوفہ کا
سنا احوال جملہ آپ نے احبابِ کوفہ کا

جنابِ فرزدق نے یہ کہا از راہِ مایوسی
نظر آتی ہے کوفہ میں ریاکاری و سالوسی

وہ تلواریں جو آمادہ ہیں حضرت کی اعانت پر
مجھے ڈر ہے - نہ ظالم آزمائیں تیری عترت پر

مگر شبیر نے یہ گفتگو سنتے ہی فرمایا
مجھے پروا نہیں انجام کیا ہو اس ارادے کا

خدا کے حکم کی تعمیل کو اولےٰ سمجھتا ہوں
اُسے مولا سمجھتا ہوں - اسے آقا سمجھتا ہوں

منزلِ ثعلبیہ

(۳)

لکھا ہے تیسری منزل تھی منزل ثعلبیہ کی — اسی منزل پہ شہ نے بھانپ لی اعدا کی چالاکی
ہوا روشن کہ رستہ پرخطر ہے خوفِ دشمن ہے — خدا محفوظ رکھے۔ ہر قدم پر دامِ رہزن ہے
ہیں جتنے راستے مسدود ہیں دشمن کی فوجوں سے — گھری ہیں منزلیں ہر راہ پر رہزن کی فوجوں سے
اسی منزل سے بھیجا تھا سفیرِ ابن یقطر کو — کہ کوفہ کی خبر لا کر سنائے ابنِ حیدر کو
طرماح بھی جو اک مخلص محبِ آلِ اطہر تھا — اسی منزل پہ آ کر بارگاہِ شاہ میں پہنچا
نبیؐ کے خانداں سے ایک گونہ اسکو الفت تھی — ارادت تھی عقیدت تھی۔ اخوت تھی محبت تھی
سنا جب سبطِ پیغمبر چلے آتے ہیں کوفہ کو — تو آ کر عرض کی باصد ادب شاہِ مدینہ کو
کہ اے شاہِ عرب۔ اے بادشاہِ یثرب و بطحا — نہ چلئے سوئے کوفہ بلکہ چلئے گا "جبل آجا"
ہماری قوم اے شاہا۔ کریگی آپ کی نصرت — بچائیگی خدا چاہے تو لڑ کر آپ کی حرمت
مگر شاہِ امم۔ والا حشم نے ہنس کے فرمایا — مصیبت سے تو میں ہرگز نہیں اے دوست گھبرایا

کہ مجھ میں اور اہلِ کوفہ میں جو عہد و پیماں ہے — خدائے دو جہاں کا واسطہ مابین پنہاں ہے
خدا کے نام کی عزت کی خاطر جا رہوں میں — وگرنہ کوفیوں کو ہر طرح سے جانتا ہوں میں
طرمّاح عدی کہہ کے یہ باتیں ہوا شبیر سے رخصت — گیا اور رکھ کے ساماں۔گھر سے اپنے جلد کی رجعت
مگر افسوس حسرت جانثاری کی رہی دل میں — شہادت کی خبر پہنچی تھی بیچارے کو منزل میں

منزل واقصیّہ

(۴)

زہیرِ ابنِ قین نامور کوفے کا باشندہ — خدا چاہے تو محشر میں نہیں ہوگا وہ شرمندہ
چلا آتا تھا مکّے سے وہ ہمراہِ شہِ والا — لئے آتی تھی شاید کھینچ کر چاہِ شہِ والا
مگر محتاط تھا۔خیمہ کہیں یک جا نہ ہو جائے — "کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے"
امیہ کی تعدّی اور ستم رانی سے ڈرتا تھا — اُترتا تھا جہاں منزل سے کچھ ہٹ کر اترتا تھا
خیامِ شاہ کا سایہ کہیں اس پر نہ پڑ جائے — بنا ہے جو مقدّر وہ شدم بھر میں بگڑ جائے
مقامِ واقصیّہ پر جونہی یہ کارواں پہنچا — زہیرِ قین کو دربار میں سیّد نے بُلوایا
سنا پیغام ابنِ قین نے تو ہو گیا ششدر — "بلاتا ہے خدا محفوظ رکھے سبطِ پیغمبر"

نہایت فکر میں ڈوبا ہوا خاموش بیٹھا تھا
لئے دل میں وہ کوئی وسوسہ خاموش بیٹھا تھا

اِدھر سبطِ پیمبر ہے۔ اُدھر خوفِ امیہ ہے
ادھر ایمان ہے اور اس طرف دولت ہے دنیا ہے

جونہی بیوی نے دیکھی فکرمندی اپنے شوہر کی
کہا اے باخدا لالچ نہ کر تو سیم اور زر کی

حضوری کا شرف بخشا ہے سیّد نے تمہیں جاؤ
جو ہو فرمان سر آنکھوں پہ رکھّو اور سن آؤ

نہایت حیف ہے سبطِ نبیؐ تجھکو بلاتا ہے
مگر تو ہے۔ کہ بیٹھا دشمنوں سے خوف کھاتا ہے

سُنی جو گفتگو مردانہ غیرت جوش میں آئی
یکایک اٹھ کھڑا۔ ابن قین باتمکین و رعنائی

چلا اور بارگاہِ شاہ میں جاکر شرف پایا
طبیعت کو جو افسردہ پڑی تھی خوب گرمایا

کئی گھنٹے وہاں ہوتی رہی کچھ گفتگو باہم
نہیں معلوم وہ کیا گفتگو تھی روبرو باہم

مگر اتنی خبر ہے جب وہ واپس لوٹ کر آیا
بہت مسرور تھا۔ بشاش تھا پھرتا تھا اترایا

بس آتے ہی دیا یہ حکم اپنے کارداروں کو
قرینِ شاہ گاڑیں جاکے خیموں کی قطاروں کو

گیا پھر اپنی بیوی کی طرف اور جاکے فرمایا
"سدا قائم رہے سر پر ترے اللہ کا سایہ"

خدا حافظ! حسینؑ ابن علیؑ کیساتھ جاتا ہوں
شہِ کونین کی امداد کا بیڑا اٹھاتا ہوں

متاع و مال سارا دیکے تجھکو شاد کرتا ہوں
چلی جا اپنے میکے کو۔ تجھے آزاد کرتا ہوں

کہ میرے ساتھ تجھکو سو طرح کی کلفتیں ہونگی ۔۔۔ جہاں جاتا ہوں میں واں کاہشیں اور آفتیں ہونگی

نہیں مجھکو گوارا تجھکو دیکھوں قیدِ اعدا میں ۔۔۔ چلی جا اور رہ آرام سے کچھ دیر دُنیا میں

لگی رونے جونہی اُسنے سنی تقریر شوہر کی ۔۔۔ مناسب ہی نظر آتی نہ تھی تدبیر شوہر کی

کہ وہ تو اپنا دامن باندھ لے شاہِ شہیداں سے ۔۔۔ رہے شرمندہ بیوی دخترِ ختمِ رسولاں سے

کہا للکار کر بیوی نے ایسا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ جو ہوسکتا ہے تجھ سے مجھسے وہ کیا ہو نہیں سکتا

مجھے منظور ہے زندانیٔ رنج و بلا ہونا ۔۔۔ نہیں لیکن گوارا آپ کے دم سے جدا ہونا

دکھاؤ شوق سے تم اپنے جوہر جاںنثاری کے ۔۔۔ ادا کرنے دو لیکن حق مجھے خدمتگذاری کے

مجھے اولادِ احمد کے لئے سب کچھ گوارا ہے ۔۔۔ سمجھتی ہوں کہ بخشش کا یہی میرا سہارا ہے

میں جاؤنگی یقیناً آپ کے ہمراہ جاؤنگی ۔۔۔ خدا چاہے تو محشر میں جگہ جنت میں پاؤنگی

میں خاتونِ قیامت سے یقیناً سرخرو ہونگی ۔۔۔ شہادت کا لہو جب مل کے ان کے روبرو ہونگی

گوارا ہیں مجھے سب ذلتیں دُنیائے فانی کی
نچھوڑونگی اعانت کچھ بھی ہو زہرا کے جانی کی

زہیرِ قین پھر ہمراہیوں کے پاس آتا ہے ۔۔۔ انہیں احوال اپنے قصد و نیت کا سناتا ہے

انہیں دیتا ہے، پھر رخصت جہاں چاہیں چلے جائیں
چلیں کوفے کی جانب یا وہ ہمراہ زبیر آئیں

ہر اک سے الوداع کہکر۔ ہر اک سے فیصلہ کر کے
چلا راہِ حقیقت پر وہ ترکِ ماسوا کر کے

منزل خزیمیہ و زبالہ

خزیمیہ کی منزل پر جب آئے سبطِ پیغمبر
اقامت کی شبانہ روز یہاں شبیر نے آکر (۵-۶)

پھر اس کے بعد پہنچے سیّد والا زبالہ پر
یہ وہ منزل تھی دیکھے جس جگہ مایوس کُن منظر

یہیں پہلے پہل ہانی و مسلم کی خبر آئی
یہیں پہلے پہل برچھی جگر میں دل میں در آئی

بچھائی صف یہیں پہلے پہل سید نے ماتم کی
یہیں پہلے پہل کوندی تھیں بسر پہ بجلیاں غم کی

یہیں پہلے پہل رونا ہوا۔ دیکھا یتیموں کو
یہیں پہلے پہل دینا پڑا۔ پُرسا یتیموں کو

یہیں پہلے پہل۔ آئیں شکستیں آرزوؤں میں
یہیں پہلے پہل آنے لگا فرق آبروؤں میں

یہیں پہلے پہل صبر و رضا کا حوصلہ دیکھا
یہیں پہلے پہل شاہِ ہُدا کا حوصلہ دیکھا

رقیہ بنتِ مسلم پر حسین علیہ السلام کی شفقتیں

سنی جب حضرتِ شبیر نے مسلم کی بربادی رقیہ بنتِ مسلم پر ہوئی شفقت کی ایزادی
دکھائیں شفقتیں سیّد نے جب معمول سے بڑھکر تو معصومہ کو بھی گذرا گماں لطف وعنایت پر
کہا رو کر کہ اے سبطِ نبیؐ یہ ماجرا کیا ہے اور اس افزائشِ لطف وعطا کا مدّعا کیا ہے
یہ کیسی شفقتیں ہیں۔ آشکارا ہو گیا جن سے یتیم و بینوا شاید بنی ہوں آج کے دن سے
یہ سنکر گفتگو۔ آنکھوں میں اک دریا امنڈ آیا اسی حالت میں شہ نے منہ سے انا اللّٰہ فرمایا

یہ سنتے ہی۔ قیامت کا مچا کہرام خیموں میں
بجز ماتم نہ تھا۔ کچھ اور کوئی کام خیموں میں

روایت ہے کہ اس منزل پہ جب شاہِ ہدیٰ آیا نہایت غم فزا خطبہ یہاں ارشاد فرمایا
ہزاروں خود غرض اشخاص اس خطبے میں حاضر تھے جو مکّے سے یہانتک ہم طریقِ شاہِ صابر تھے
لئے آتے تھے کسبِ زر کی وہ صد ہا تمنّائیں تمنائیں سراسر بے محل۔ بیجا تمنّائیں
سمجھتے تھے کہ شاید جا رہے ہیں سبطِ پیغمبر فتوحاتِ زمانہ پر۔ کہ تسخیرِ ممالک پر

پڑھا جب حضرتِ شبیر نے خطبہ تو ہوش آیا
مصیبت کو سروں پر ٹوٹتے دیکھا تو ہوش آیا

کہا سید نے جب میری طرف سے تمکو رخصت ہے
ادھر آؤ۔ اُدھر جاؤ۔ کہیں جاؤ اجازت ہے

چھلاوا بن گیا کوئی۔ بگولا بن گیا کوئی
بہتر کے سوا باقی نہ میداں میں رہا کوئی

منزل اشراف

حُر ابنِ یزید ریاحی کی مزاحمت

غضب ہے دوپہر کا وقت تھا شدّت کی گرمی تھی (۷) قیامت کی گھڑی تھی اور اک آفت کی گرمی تھی

بُری حالت تھی مارے تشنگی کے حُر کے لشکر کی
پڑا محسوس کرتا تھا ہر اک تکلیف محشر کی

جو دیکھا حضرتِ شبیر نے انکو مصیبت میں
بجھائیں پیاس پیاسوں کی خیال آیا طبیعت میں

دیا فرمان اپنے خادموں کو پانی لانے کا
کیا پھر قصد پانی فوجِ اعدا کو پلانے کا

سخی شبیر اپنے ہاتھ سے پانی پلاتے تھے
نمونہ اپنے حسنِ خلق کا سب کو دکھاتے تھے

دیا تھا باپ نے قاتل کو اپنے دودھ کا ساغر
کیا سیراب بیٹے نے مگر دشمن کا سب لشکر

جونہی دشمن کا لشکر ہو چکا سیراب پانی سے
تو وقتِ ظہر آپہنچا خدا کی مہربانی سے

اذاں آئی سنی آواز جب اللہ اکبر کی
توجہ پھر گئی سوئے خدا لشکر کے لشکر کی

امامت کی حسینؑ ابن علیؑ نے اور پڑھا خطبہ
سپاہِ حُر نے بھی آکر جماعت میں سنا خطبہ

خطبہ

کہا شبیر نے لوگو خدارا حق کو پہچانو
اسی میں ہاں بھلا ہوگا تمہارا حق کو پہچانو

خدا کی شان ہے تم جان کر انجاں بنتے ہو
سمجھ کر۔ بوجھ کر۔ پہچان کر۔ انجان بنتے ہو

بُلایا تم نے مکّے سے مجھے سو واسطے دیکر
وہی تم ہو۔ مگر دیتے ہو دھوکا رشوتیں لے کر

کہاں ہیں آپکے وہ عہد و پیماں یہ تو بتلاؤ؟
کہاں ہے۔ آپ کا وہ دین و ایماں یہ تو بتلاؤ

دکھائیں شاہ نے پھر کوفیوں کی جملہ تحریریں
لکھی تھیں جن میں ہمت آفریں پرجوش تقریریں

مگر حُر نے کیا انکار اس خط و کتابت سے
کہا اپنا تعلق ہی نہیں کچھ اس شرارت سے

بلانے والے اور خط بھیجنے والے نہیں ہیں ہم
تمہیں معلوم ہو صاحب سپاہِ اہلِ کیں ہیں ہم

عبید اللہ کا یہ حکم ہے ہم خاکساروں کو
کہ کرلیں قید تم کو اور تمہارے جانثاروں کو

بس اب زنجیر تھوڑی دیر میں پہناؤنگا سب کو　　عبید اللہ کے دربار میں لے جاؤنگا سب کو

یہ سنکر گفتگو خونِ حمیّت جوش میں آیا　　مخاطب ہو کے حُر سے سیّدِ والا نے فرمایا

تمہاری یہ تمنّا کیا ہمیں قیدی بنائے گی　　تمہاری موت اس مقصد سے پہلے تمکو آئیگی

نہ جبتک اپنی جانیں اس ارادے میں کھپاؤ گے　　خدا چاہے تو ہرگز اپنے مقصد کو نہ پاؤ گے

بہائیں گے لہو میدان کو رنگیں بنائینگے

مگر دربارِ ناہنجار میں ہرگز نہ جائینگے

دیا پھر حکم سیّد نے احبّا کو اعزّا کو　　اٹھو تیّار ہو۔ اسوار ہو رختِ سفر باندھو

تمام اصحاب فوراً ہو گئے تیار جانے پر　　اٹھے یکدم دلیرانہ قدم آگے بڑھانے پر

جو دیکھا حُر نے سب اسوار ہیں تیّار ہیں محمل　　تو سدِّ راہ بن کر ہو گیا وہ راہ میں حائل

کہا شبیر نے حُر سے کہ اے اشرار کے افسر　　"خدا چاہے تیری ماں روئے اکدن تیری میّت پر"

یہ گستاخی کہ ہم کو راستے میں روکتا ہے تو　　ترا کیا منہ ہے آکر سالکوں کو ٹوکتا ہے تو

مگر حُر تھا کہ اپنی بات کی تکرار کرتا تھا　　ارادہ روکنے کا ہر گھڑی ہر بار کرتا تھا

کہا شبیر نے گر قصد ہے تیرا لڑائی کا　　تو آ میدان میں چکھ لے مزا تیغ آزمائی کا

جونہی دشمن کا لشکر ہو چکا سیراب پانی سے
تو وقتِ ظہر آپہنچا خدا کی مہربانی سے
اذاں آئی سُنی آواز جب اللہ اکبر کی
توجہ پھر گئی سوئے خدا لشکر کے لشکر کی
امامت کی حسینؑ ابن علیؑ نے اور پڑھا خطبہ
سپاہِ حُر نے بھی آکر جماعت میں سنا خطبہ

خطبہ

کہا شبیر نے لوگو خدا را حق کو پہچانو
اسی میں ہاں بھلا ہوگا تمہارا حق کو پہچانو
خدا کی شان ہے تم جان کر انجاں بنتے ہو
سمجھ کر۔ بوجھ کر۔ پہچان کر۔ انجان بنتے ہو
بُلایا تم نے مکے سے مجھے سو واسطے دیکر
وہی تم ہو۔ مگر دیتے ہو دھوکا رشوتیں لے کر
کہاں ہیں آپکے وہ عہد و پیماں یہ تو بتلاؤ؟
کہاں ہے۔ آپ کا وہ دین و ایماں یہ تو بتلاؤ
دکھائیں شاہ نے پھر کوفیوں کی جملہ تحریریں
لکھی تھیں جن میں ہمت آفریں پر جوش تقریریں
مگر حُر نے کیا انکار اس خط و کتابت سے
کہا اپنا تعلق ہی نہیں کچھ اس شرارت سے
بلانے والے اور خط بھیجنے والے نہیں ہیں ہم
تمہیں معلوم ہو صاحب سپاہِ اہلِ کیں ہیں ہم
عبید اللہ کا یہ حکم ہے ہم خاکساروں کو
کہ کرلیں قید تم کو اور تمہارے جانثاروں کو

بس اب زنجیر تھوڑی دیر میں پنہاؤنگا سب کو | عبید اللہ کے دربار میں لے جاؤنگا سب کو
یہ سنکر گفتگو خونِ حمیّت جوش میں آیا | مخاطب ہو کے حُر سے سیّدِ والا نے فرمایا
تمہاری یہ تمنّا کیا ہمیں قیدی بنائے گی | تمہاری موت اس مقصد سے پہلے تمکو آئیگی
نہ جبتک اپنی جانیں اس ارادے میں کھپاؤگے | خدا چاہے تو ہرگز اپنے مقصد کو نہ پاؤ گے

بہائیں گے لہو میدان کو رنگیں بنائینگے
مگر دربارِ ناہنجار میں ہرگز نہ جائینگے

دیا پھر حکم سیّد نے احبّا کو اعزّا کو | اٹھو تیّار ہو۔ اسوار ہو رختِ سفر باندھو
تمام اصحاب فوراً ہو گئے تیار جانے پر | اٹھے یکدم دلیرانہ قدم آگے بڑھانے پر
جو دیکھا حُر نے سب اسوار ہیں تیّار ہیں محمل | تو سدِّ راہ بن کر ہو گیا وہ راہ میں حائل
کہا شبیر نے حُر سے کہ اے اشرار کے افسر | "خدا چاہے تیری ماں سوئے اکدن تیری میّت پر"
یہ گستاخی کہ ہم کو راستے میں روکتا ہے تو | ترا کیا منہ ہے آکر سالکوں کو ٹوکتا ہے تو
مگر حُر تھا کہ اپنی بات کی تکرار کرتا تھا | ارادہ روکنے کا ہر گھڑی ہر بار کرتا تھا
کہا شبیر نے گر قصد ہے تیرا لڑائی کا | تو آ میدان میں چکھ لے مزا تیغ آزمائی کا

مگر حُر نے کہا مجھکو اجازت ہی نہیں اسکی
لڑوں میں آپ سے مجھکو تو رخصت ہی نہیں اسکی
مجھے تو حکم ہے بس اسقدر تجھکو جہاں پاؤں
وہاں سے گھیر کر بے شور و غل کوفہ میں لے آؤں
نہیں سنتے اگر میری تو پھر اک غور فرمائیں
مدینہ بھی نہ جائیں اور نہ کوفہ کی طرف جائیں
سوا ان راستوں کے اور جس رستے پہ جائینگے
رکاوٹ میری جانب سے نہ ہرگز آپ پائینگے

منزل ہجائن

سنا ہے جب ہجائن پر حسینؑ ابن علیؑ آئے (۸) تو اس منزل پہ ملنے مجمعؔ و ابنِ عدیؔ آے
سنائیں آکے خبریں کوفیوں کے خبث باطن کی
عبید اللہ کے حملہ تدبر ہائے ممکن کی
سنایا کس طرح سے گرم ہے بازار رشوت کا
اٹھایا ہے علم کن کن ارادوں سے بغاوت کا
سنایا کس طریقہ پر ہوئی فوجوں کی تیاری
بتایا کس قدر آمادۂ پیکار ہیں ناری

یہ سب احوال سنتے جاتے تھے سبطِ پیغمبر
مگر رکھتے تھے اطمینان وہ اپنے مقدر پر

لکھا ہے جب ذرا آگے بڑھے کچھ دور منزل سے
تو گہری سانس نکلی۔ آہ بنکر شاہ کے دل سے

کہا اکبر سے بیٹا اب ذرا ہشیار ہو جاؤ
شہادت کے ہیں دن نزدیک تر تیار ہو جاؤ

کیا پھر سیدِ والا نے ذکرِ خواب اکبرؑ سے
بس اب ہونیکو ہے اپنی تواضع آب خنجر سے

علی اکبرؑ نے سن کر عرض کی یا ابنِ رسول اللہ
کہ ہم حق پر ہیں۔ ہم کو موت کی ہرگز نہیں پروا

خدا کی راہ میں ہم جان کی پروا نہیں کرتے
نہیں ڈرتے کسی دشمن سے ہم ہرگز نہیں ڈرتے

سنی تقریرِ اکبر کی کہا خرسند ہو بیٹا
سعادت مند ہو بیٹا سعادت مند ہو بیٹا

منزل ذی خم

جسے کہتے ہیں ذی خم ایک دردانگیز منزل تھی (۹)
نہایت غم فزا تھی اور حسرت خیز منزل تھی

بلایا سیدِ والا نے اپنے جانثاروں کو
کیا آگاہ رفتارِ جہاں سے غمگساروں کو

کہا اے دوستو! بدلا ہوا ہے رنگ دنیا کا
نرالا ہی نرالا ہے سراسر ڈھنگ دنیا کا

کہاں ہیں نیکیاں مفقود ہیں سارے زمانے سے
ہوا معلوم آخر کار ہم کو آزمانے سے

نہیں حق پر عمل پیرا کوئی۔ اب دورِ باطل ہے
طبیعت اہل دنیا کی برائی ہی پہ مائل ہے

ہر اک مومن کو لازم ہے بس اب خلوت گزیں ہونا
خدائے دو جہاں کی یاد میں گوشہ نشیں ہونا

مجھے تو ظالموں کیساتھ جینا سخت ذلّت ہے
مرے نزدیک مری موت پیغامِ شہادت ہے

زہیر کی عقیدتمندی

زہیرِ خوش عقیدت نے کہا اے سبطِ پیغمبر
ہماری جاں۔ ہمارا مال سب قربان ہو تجھپر

رفاقت شاہِ عالی کی ہمارا دین و ایماں ہے
جو ہے حضرت کی نصرت پر یقیناً وہ مسلماں ہے

وہ کیا اسلام ہے گر آپکی الفت نہیں دلمیں
یہ سر قربان ہوں گے امتیازِ حق و باطل میں

حبیب ابن مظاہر کا جوش ایمان

حبیب ابن مظاہر بول اُٹّھے جوش میں آکر
قسم ہے۔ ہمکو اپنی موت کا ہرگز نہیں ہے ڈر

سمجھتے ہیں یہی اللہ سے ملنے کا زینہ ہے
نہیں گر موت تو کیا پھر کوئی جینے میں جینا ہے

ہماری نیتّوں پر حرف کوئی لا نہیں سکتا
یہ وہ شیشے ہیں جن پر زنگ مطلق آ نہیں سکتا

جو دشمن آپ کے ہیں۔ ہم ہیں انکے دشمنِ جانی
جو ہیں احباب۔ اپنا فرض ہے اُنکی نگہبانی

حضرتِ بُریر کی تقریر

بُریرِ نیک خو نے بھی سنیں پرجوش تقریریں
کہا اے دوستو تم کو خدا دے حملہ تو تیریں

اگر ابنِ علی کی دوستی میں جان دے دو گے
قیامت آئیگی جس دن شفاعت کے مزے لو گے

یہ جسمِ عارضی پرزے جو ہوتا ہے تو ہونے دو
عُدو بوتا ہے اپنی راہ پر کانٹے تو بونے دو

مگر شبیرؑ کو ہم چھوڑ کر ہرگز نہ جائیں گے
پسینہ جس جگہ ٹپکیگا ہم واں خوں گرائینگے

یہی جذبات لیکر آگے آگے چل پڑا لشکر
حسینِ بینوا کا مختصر اور باوفا لشکر

سنا ہے حُر بھی لیکر فوج کو ہمراہ چلتا تھا
وہ ہر حرکت سے ہو کر واقف و آگاہ چلتا تھا

جونہی شبیر کا لشکر قریبِ نینوا پہنچا
یکایک تیز رو قاصد عبید اللہ کا پہنچا

لکھا تھا خط میں فوراً قید کر لو ابنِ حیدرؑ کو
وہاں ٹھہراؤ جس جا پر نہ پانی تک میسرؔ ہو

کوئی میدان ایسا دیکھ لو جس جا نہ ہو پانی
وہیں محصور رکھوؔ اور رکھوؔ خوب نگرانی

بس اپنے حکم کی تعمیل فوراً چاہتا ہوں میں
ضروری کام کی تکمیل فوراً چاہتا ہوں میں

منزلِ کربلا

زمینِ کربلا تھی دوسرا دن تھا محرّم کا (۱۰) کہ چلتے چلتے گھوڑا رک گیا شاہِ دو عالم کا
بہت تدبیر کی رہوار کو آگے بڑھانے کی قسم کھائی تھی پر رہوار نے پاؤں اٹھانے کی
کھڑے ہونے کی یہ حالت تھی اسبِ کوہ پیکر کی تراشی ہو کسی نے جس طرح تصویر پتھر کی

استفسارِ امام علیہ السلام

جو دیکھا آگے بڑھنے کا کوئی چارہ نہیں ملتا کھڑا ہے جس جگہ گھوڑا نہیں ٹلتا نہیں ہلتا
تو پوچھا ساکنانِ دشت سے نام اُس بیاباں کا کیا معلوم سارا ماجرا صحرائے ویراں کا
کہا لوگوں نے استفسار پر شیریں زباں ہو کر شناسائے جہاں ہو کر بڑے تاریخ داں ہو کر
یہی ہے کربلا مشہور تھی جو ہر زمانے میں اسی کے تذکرے ہوتے رہے اکثر زمانے میں
یہ ہے ایسا مقامِ روح فرسا اے شہِ والا جو آئیگا یہاں ہوگا سکونِ دل تہ و بالا
رسولانِ زمانہ یاں سے گھبرائے ہوئے گذرے شگفتہ ہو کے آئے اور کملائے ہوئے گذرے

امام عالیمقام کا گھوڑے پر سے اتر پڑنا

ہوئی آمادگی ظاہر رخِ شاہِ حجازی سے
اقامت کیلئے اترے وہ اپنے اسپ تازی سے

کہا مجھکو قسم ہے اس خداوندِ دو عالم کی
بڑھا دی آبرو جس نے جہاں میں ابن آدم کی

اسی میدان میں آلِ محمدؐ پر ستم ہونگے
اسی میدان میں سو سو طرح کے رنج و غم ہونگے

اسی کی ریت پر تڑپینگی لاشیں نوجوانوں کی
اسی میدان میں ہوگی تواضع میہمانوں کی

اسی میدان میں ننھے سے بچے تیر کھائینگے
اسی میدان میں حلقوم بیکاں سے چھدائینگے

اسی میدان میں خیمے جلائے جائینگے اکدن
اسی میدان میں قیدی بنائے جائینگے اکدن

اسی میدان میں گردن کٹیگی کند خنجر سے
اسی میداں میں خوں ٹپکیگا میرے دیدۂ تر سے

اسی میدان میں پردہ نشیں سب بے ردا ہونگے
اسی میدانِ ہیتناک میں ماتم بپا ہونگے

میدانِ کربلا میں خیمونکا نصب کرنا

وہ میداں جسمیں پانی کا نہ تھا نام و نشاں پیدا
وہ میداں ہو نہیں سکتا کوئی پودا جہاں پیدا

وہ میداں جو کہ تا حدِ نظر وسعت بداماں تھا
وہ میداں جو افق تک اک بیاباں ہی بیاباں تھا

وہ میداں جو کہ تھا غولِ بیابانی کا گہوارہ
وہ میداں جسمیں پھرتے تھے بگولے ہو کے آوارہ

وہ میداں مہرِ عالمتاب کی جسمیں حکومت تھی
وہ میدان جسکے سینہ میں قیامت خیز حدت تھی

وہ میداں جسمیں جھونکے بادِ صرصر کے گذرتے تھے
وہ میداں جسمیں وحشی بھی قدم رکھنے سے ڈرتے تھے

کیا ڈیرا اسی میدان میں شاہِ دو عالم نے
پناہ مانگی تھی جس سے نوحؑ نے موسیٰ نے آدم نے

کربلا کو فوجوں کی روانگی

ابن زیاد کا خطبہ

عزیزو کر چکے تم آزمائش آلِ سفیاں کی
تمہارے حق میں ہے ہر نیک خواہش آلِ سفیاں کی

یزید نیک خصلت کو بھی تم نے آزما دیکھا
اسے ہمدرد پایا اور اپنا ہمنوا دیکھا

ہے وہ بھی باپ کی مانند تم پر مہربان کیسا
ہے اسکے عہد میں خوشحال ہر پیر و جواں کیسا

وظائف میں بھی ہیں اسنے اضافے کر دیئے کیسے
غریبوں کے بھی دامن زر سے اسنے بھر دیئے کیسے

اب اسکو حق ہے تم پر ہر طرح سے حکمرانی کا
سدا کرتے رہو تم شکر اس کی مہربانی کا

میں اس شاہِ فلک اورنگ کا فرمان لایا ہوں
اور اسکے ساتھ لطف و عیش کا سامان لایا ہوں

خزانہ شہرِ کوفہ کا تمہاری نذر ہونا ہے
اٹھا لے جائیے حاضر یہ چاندی ہے یہ سونا ہے

مگر اک حکم ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے
وہ ہے اک عقدۂ مشکل جو حل کرنا ضروری ہے

حسینؑ ابن علیؑ کو کربلا میں قتل کرنا ہے
یہی احسان آقائے ولی نعمت پہ دھرنا ہے

ہزاروں اہل کوفہ ہو گئے تیار جانے پر
اٹھا طوفان اک شمع امامت کے بجھانے پر

اٹھایا سب نے بیڑا خونِ ناحق کے بہانے کا
کیا وعدہ ہر اک کوفی نے محشر کے اٹھانے کا

بس اک جرّار لشکر چل پڑا سیل رواں ہو کر
زمین کربلا پر چھا گیا اک آسماں ہو کر

کسی کو ملک رَے کی حکمرانی کی تمنا تھی
کسی کو بہر کینہ خونفشانی کی تمنا تھی

کسی کو مال و زر کے حرص نے مجنوں بنایا تھا
کوئی میدان میں بنکر تماشائی دَر آیا تھا

عمر سعد کا امام علیہ السلام سے سلوک

عمر کے دل میں گرچہ آرزو تھی حکمرانی کی
مگر کرتا تھا عزت کچھ نہ کچھ زہرا کے جانی کی

بوقتِ شب کنارِ آب پر سید جو آتے تھے
بہم ملتے تھے دونو۔ خلق کے جوہر دکھاتے تھے

خولی کی چغل خوری

عبید اللہ کو خولی نے لکھا راز داں ہو کر
کہ ملتا ہے عمر شبیر سے کچھ مہرباں ہو کر

عمر سعد کو ابن زیاد کی تنبیہ

عبید اللہ نے جب یہ سنا تو جوش میں آیا
کیا تحریر خط اور خط میں اس کو خوب دھمکایا

اگر تم نے حسینؑ ابنِ علیؑ سے آشنائی کی
تو قطع چھوڑ دینا اے عمر مجھ سے بھلائی کی

سنا ہے شام کو ابنِ علی سے روز ملتے ہو
محبت آشنائی دوستی سے روز ملتے ہو

یہی طرزِ وفاداری اگر تجھ سے نمایاں ہے
سمجھ لے دل میں ملکِ رے بھی اک خواب پریشاں ہے

تمہیں منظور ہے گر مال و دولت کی فراوانی
تو کر دو بند فوراً آج سے شبیرؑ پر پانی

کنارِ آب پر پہرے بٹھا دو شہ سواروں کے
کھڑے کر دو۔ پرے فوراً لبِ دریا ہزاروں کے

اگر خواہش ہے۔ تم کو ملک رے کی حکمرانی کی
نجانے پائے دشمن کی طرف اک بوند پانی کی

بندشِ آب اور دریائے فرات کی حفاظت

لبِ دریا کھڑے ہیں فوج کے دستے حفاظت کو
دکھا کر آب ترساتے ہیں سرتاجِ امامت کو

بڑی بے دردیوں سے خاک پر پانی لنڈھاتے ہیں
پیاسوں کی اُڑاتے ہیں ہنسی اور دل دکھاتے ہیں

قصیدہ خوانیاں کرتے ہیں وہ آب مصفّا کی
دکھاتے ہیں وہ لفظوں میں روانی آب دریا کی

کبھی کہتے ہیں پانی کو زلالِ آب باراں ہے
کبھی کہتے ہیں یہ پانی نہیں یہ آبِ حیواں ہے

غرض سو سو طریقے کے ستم کے ڈھب نکالے ہیں
زبانیں تو نہیں یہ سانپ ہیں جو منہ میں پالے ہیں

خیمۂ مطہرہ میں پانی کا قحط

خیامِ شاہ میں ہفتم محرم سے یہ حالت ہے
پیاسے ہر اک اور تشنگی کی سخت شدّت ہے

جوانوں میں نہ وہ طاقت نہ وہ تابِ توانائی
ضعیفوں کی یہ کیفیت نہ گویائی نہ بینائی

بہت بےچین ہیں بیتاب ہیں بےخواب ہیں بچّے
کئی پہروں سے محوِ انتظارِ آب ہیں بچّے

جناب حضرت عباس نے شب بھر کی محنت سے
کنوئیں دو ایک کھودے ہیں نہایت ہی مشقت سے
ادھر گودی میں مارے پیاس کے بچے بلکتے ہیں
ادھر کنوؤں سے پانی تو نہیں پتھر نکلتے ہیں

حضرتِ عباس کی پہلی سقائی

ہوئی جب اسطرح پانی کی کوشش میں بھی ناکامی
بڑھی جب پیاس کی شدت سے بےچینی بے آرامی
بلایا سید والا نے۔ اپنے جانثاروں کو
روانہ ہوں برائے آب دریا کے کناروں کو
بڑھا۔ کاندھوں پہ مشکیں لیکے پیاسی فوج کا دستہ
تو دیکھا ساحلِ دریا پہ ہیں کچھ لوگ صف بستہ
مزاحم ہوگئے۔ دریا پہ جب پانی لگے بھرنے
لگے ہر حکمِ ابنِ سعد کی وہ پیروی کرنے
کبھی تلوار تو دست و گریباں ہو گئیں فوجیں
تماشا دیکھتی تھیں۔ اُٹھ کے سطحِ آب پر موجیں
دکھائی حضرتِ عبّاس نے وہ شانِ سقائیٔ
لڑائی تھی مگر اک بوند بھی گرنے نہیں پائی
بھری مشکیں سلامت لیکے آئے سرخرو ہو کر
خدا کا شکر۔ لوٹے سب کے سب باآبرو ہو کر

دریائے فرات پر سنگین پہرہ

ہزیمت کھائی جب دریا کے جملہ پہرہ داروں نے — تو استحکام کی تمہید باندھی نابکاروں نے
ہزاروں آدمی ٹھہرائے دریا کے کنارے پر — جو کٹ مرنے پہ آمادہ تھے دشمن کے اشارے پر

وہ پہرہ تھا کہ جس میں پانی پینا ہو گیا مشکل
وہ سختی تھی کہ جس میں سب کو جینا ہو گیا مشکل

قاصدوں کا عمر سعد کے پاس جانا

بہت تدبیر کی پانی میسر ہو نہ سکتا تھا — میسر جز خیالِ آبِ خنجر ہو نہ سکتا تھا
عمر بن سعد کو بھیجے گئے قاصد کہ سمجھائیں — کیا ہے بے گناہوں پر جو پانی بند باز آئیں
کہ اولادِ محمدؐ کی دل آزاری نہیں اچھی — نہیں! نارِ جہنم کی خریداری نہیں اچھی

عمر بن سعد پر لیکن اثر ہوتا نہ تھا کچھ بھی
نہ تھی اس شخص کے نزدیک دوزخ کی سزا کچھ بھی

امام عالیمقام اور عمر سعد کی گفتگو

عمر بن سعد نے سعید کی یہ گفتگو جا کر کہا
کہ اے تو کوفیوں کے مکر سے واقف ہوئے آکر
بتاؤ کیا ہے منشا اور اب کیا دل میں ٹھانی ہے
بھلا اب بھی کوئی دل میں امید کامرانی ہے
نظر آتا ہے اے تو اور ہی نقشہ زمانے کا
تدبر چاہیے اب آپ کو پہلو بچانے کا
یہ سن کر حضرتِ شبیر نے ارشاد فرمایا
مجھے کیا مکر سے میں مکر کی چالوں سے باز آیا
خدا کی راہ میں مجھ سے دغا کرتے ہیں کرنے دو
مجھے ہے اعتبار ان پر جفا کرتے ہیں کرنے دو

عمر سعد کا تقاضائے شدید

عمر نے پھر کہا۔ فرمائیے اب کیا ارادہ ہے
اب اِن حالاتِ ناموزوں میں آخر فیصلہ کیا ہے
کہا شبیر نے واپس چلا جاؤنگا۔ جانے دو
مدینے کی طرف یا سوئے مکہ راہ پانے دو
جہاں ہوگا مناسب اب وہیں آرام کرلونگا
خدا کی راہ میں جو رہ گئے ہیں کام۔ کرلونگا

عمر سعد کی عرضی عبید اللہ ابن زیاد کے نام

خدا کا شکر ہے بھڑکے ہوئے شعلے بجھا ڈالے — حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں گھر کی جانب لوٹنے والے
کیا ہے شاہ نے اقرار گھر لوٹ جانے کا — یا جا کر غیر ملکوں میں کہیں ڈیرہ لگانے کا
بہر صورت ہمارے واسطے جائے مسرت ہے — یہاں سے انکا جانا باعثِ اصلاحِ ملت ہے

شمر کا اغواء

عمر بن سعد کا خط جب عبید اللہ کو پہنچا — سرِ دربار شمرِ بے حیا یہ سن کے بول اُٹھا
میرے سردار تحریرِ عمر سے یہ نمایاں ہے — کہ وہ ابنِ علیؑ کی بہتری کا دل سے خواہاں ہے
ہمارے دشمنوں کو اس طرح آزاد کرتا ہے — ہماری غیرتوں کو بے طرح برباد کرتا ہے
حسینؑ ابن علیؑ بیعت کئے ہرگز نہ جائیں گے — یہی ہے وقت ہم اب شانِ خودداری دکھا دینگے

عُدوئے سلطنت سے گر یہ برتاؤ روا ہوگا
ہمارے عجز کا سارے جہاں میں غُلغلہ ہوگا

شمر ذی الجوشن کی کربلا کو روانگی

"عرضی کا جواب"

عبیداللہ کو جب شمر نے اس طرح بھڑکایا
غضب آلود ہو کر خط لکھا اور غیظ میں آیا

عمر افسوس ہے تیری حماقت آفرینی پر
نہایت رنج ہے مجھکو تری کوتاہ بینی پر

کہ تو امن حسینؑ ابن علیؑ کا مجھ سے طالب ہے
قیامت ہے، شعورِ دوستی کا مجھ سے طالب ہے

تجھے کس نے کہا انکی سفارش کیجئے مجھ سے
یہ کیا کہ عذر خواہی کی گذارش کیجئے مجھ سے

یہ کیا سوجھا ہے تجھکو آج شیوہ کج ادائی کا
ارے کمبخت یہ تو وقت ہے تیغ آزمائی کا

حسینؑ ابن علیؑ سے ڈر گئے ہو۔ ماجرا کیا ہے
مقابل کیوں نہیں ہوتے تمہارا مدعا کیا ہے

انہیں مجبور کر دو گردنِ تسلیم خم کر دیں
نہ مانیں وہ اگر تو تیغِ برّاں سے قلم کر دیں

کرو شدّت سے حملے اور سب کو کاٹ کر رکھ دو
جہاں رکھتے ہیں پاؤں اس زمیں پر انکے سر رکھ دو

جدا کر دو ہر اک عضوِ بدن سمہائے توسن سے
لیا جاتا ہے بدلہ اسطرح ہر ایک دشمن سے

دل و جاں سے رہو گے تم اگر احکام پر قائم
رہونگا میں بھی اپنے وعدۂ انعام پر قائم

نہیں ہمت تو فوراً میرے لشکر سے جدا ہو جاؤ
سپرد شمر کر دو اپنا عہدہ۔ خود ہوا ہو جاؤ

کربلا میں شمر کا داخلہ

سپاہ شام لے کر۔ کربلا میں شمر آپہنچا
بصد انداز۔ میدانِ جفا میں شمر آپہنچا

دیا فرمان ابنِ سعد کو کوفے کے والی کا
تھا جس میں تذکرہ برخواستگی کا اور بحالی کا

حسینؑ ابن علیؑ کے قتل کی ترکیب لکھی تھی
ہر اک ترکیب بالتفصیل و بالترتیب لکھی تھی

شمر کی آتش بیانی کا نتیجہ

نتیجہ تھا یہ چونکہ شمر کی آتش بیانی کا
بنا۔ بن سعد کے نزدیک مورد بدگمانی کا

کہا" او شمر شیطاں یہ تری ساری شرارت ہے"
وگرنہ اس قدر بے رحم ہونا کیا ضرورت ہے

سمائی تھی جو اسکے دل میں وہ رائے بدل ڈالی
مری جو آرزو تھی تو نے لے ظالم کچل ڈالی

اب آؤ جو ارادہ ہے اسی پر ہوں عمل پیرا
بجز اُسکے نظر آتا نہیں اب دوسرا چارا

بلاؤ جس قدر موجود ہیں سردار لشکر کے
کہو اک بار سارے دیکھ لیں ہتھیار لشکر کے

خیامِ شاہ کی حالت

خیامِ شاہ پر مایوسیاں چھائی ہوئی سی ہیں
شگفتہ صورتیں کچھ آج کملائی ہوئی سی ہیں

مصیبت میں پھنسی ہیں آکے جانیں نونہالوں کی
بُری حالت ہے مارے تشنگی کے خورد سالونکی

جوان و پیر بھی مایوس ہیں اب زندگانی سے
رکھا ہے دشمنوں نے اسطرح محروم پانی سے

دکھائی جارہی ہیں۔ تابشیں شمشیرِ عریاں کی
کہ پیاسی ہیں بڑی مدت سے یہ خونِ شہیداں کی

ابن سعد اور حضرت امام کی گفتگو

عمر افسوس ہے۔ تجھ پر کہ آتا ہے مقابل میں
خدا سے اور محمدؐ سے بھی شرماتا نہیں دل میں

تجھے معلوم ہے شاہِ دوعالم کا نواسہ ہوں
اگرچہ آج میں مجبور ہوں بھوکا ہوں پیاسا ہوں

کہا بیشک مجھے تو آپ کی امداد کرنا تھی
رسول اللہ کی روحِ پاک اس سے شاد کرنا تھی

مگر مجبور ہوں ڈرتا ہوں میں کوفہ کے والی سے
کہ کردیگا مجھے برباد اپنی بدخصالی سے

متاع و مال اور جاگیر مری ضبط کرلے گا
ستمگر سخت ایذائیں مری اولاد کو دے گا

یہی باعث ہے جس سے مجھکو ہمت ہو نہیں سکتی
تمہارا ساتھ دوں اتنی بھی جرأت ہو نہیں سکتی

ہوا شبیر کو پورا الیقیں ہم کو نہ چھوڑیں گے
کرینگے قتل ناحق یہ یقیں ہم کو نہ چھوڑینگے

عمر کو بد دعا دی شاہِ عالی نے یہ تنگ آکر
خدا چاہے تو تُو بھی قتل ہو راحت کے بستر پر

میسر ہو ترے اعمال پر شرمندگی تجھکو
خدا بخشے نہ محشر میں حساب زندگی تجھکو

عراقِ پر فضا کا تجھکو گیہوں تک نہ ہو حاصل
ارادے تیرے سب کے سب خدا چاہے تو ہوں باطل

عمر کہنے لگا ہنسکر بسر اوقات کر لوں گا
نہیں گیہوں میسر تو میں جَو ہی سے پیٹ بھر لونگا[1]

خطبہ جناب امام علیہ السلام

"حمد"

خداوندا۔ ترے لُطف و کرم کا شکر کرتا ہوں
ترا بندہ ہوں میں اور تجھسے ہی دم اُلفت کا بھرتا ہوں

دیا تو نے مجھے وہ دل کہ جو آگاہِ عرفاں ہے
زباں وہ دی کہ جاری جس زباں پر ذکر قرآں ہے

نگہ وہ دی کہ جس سے دیکھتا ہوں تری قدرت کو
دیئے وہ کان سُن لیتا ہوں آوازِ حقیقت کو

---

[1] جب سے یہ مثل مشہور ہے۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است

کیا ہے تو نے شامل مجھکو اپنے جانثاروں میں / لکھا ہے تو نے میرا نام اپنے خاکساروں میں
کیا ہے تو نے داخل مجھکو اپنی اس جماعت میں / ادا کرتی ہے جو کہ شکر تیرا ہر مصیبت میں

خطبہ

پس اے لوگو نہیں ہے شک تمہاری جانثاری میں / لیا ہے تم نے حصہ بے نوا کی غمگساری میں
جزائے خیر دے محشر میں ربِ دوسرا تم کو / کہے لبیک روز حشر جنت کی فضا تم کو
میں جس امید پر کوفہ کی جانب چل کے آیا تھا / وہ اک ڈھلتے ہوئے خورشید کی کرنوں کا سایہ تھا
نہیں ہے اب کسی امید کا نام و نشاں باقی / جلا ہے اسطرح خرمن شرر سے نے دھواں باقی
تمہیں دیتا ہوں میں بارِ اطاعت سے سبکدوشی / کرو اس عرصۂ کرب و بلا سے جلد روپوشی
مجھے اے دوستو! اس بات سے بیحد خوشی ہوگی / کہ جب خطرے سے خالی دوستونکی زندگی ہوگی
ابھی تو شام ہے تاریکیٔ شب بھی نہیں چھائی / نہیں کی اپنے تاروں سے فلک نے جلوہ آرائی
تم اپنے اپنے ناقے دیکھ لو۔ زادِ سفر باندھو / یہاں سے بھاگ جانے کیلئے اپنی کمر باندھو
ہر اک ہمراہ لیجائے مرے اک اک قریبی کو / مگر رہنے دے مرے ساتھ میری کم نصیبی کو

میں تنہا جھیل لونگا آفتیں سارے زمانے کی
مری تقدیر میں ہیں کلفتیں سارے زمانے کی

مری خاطر سے تم کیوں آگ میں پڑتے ہو جانے دو
انہیں مری غرض ہے مجھکو تنہا سر کٹانے دو

مسلم عوسجہ کی تقریر

اے فرزندِ محمدؐ کون ہے وہ شخص دنیا میں
کرے تجھ سے محبت اور دیکھے تجھکو ایذا میں

قسم ہے مجھکو میں ہرگز نچھوڑونگا ترا دامن
مٹاتے ہیں مٹادیں شوق سے مجھکو مرے دشمن

بناؤنگا۔ نشانہ تیر کا۔ دشمن کے سینوں کو
جھکادونگا میں رعبِ تیغ سے انکی جبینوں کو

بوقتِ جنگ میں۔ ایمان کی قوت دکھادونگا
نیامِ تیغ ان ناپاک جسموں کو بنادوں گا

خدانا خواستہ گر تیغ کی ہمت نہ پاؤنگا
نشانہ پتھروں کا اپنے اعدا کو بناؤنگا

یہ وہ جذبات تھے جو دلمیں سینے میں تڑپتے تھے
یہ تھے وہ ولولے جو شعلہ بن بنکر بھڑکتے تھے

رگ و پے میں ہر اک کے۔ خونِ غیرت جوش کھاتا تھا
لڑائی کے لئے بیتاب تھا اور تلملاتا تھا

یہ ناممکن تھا۔ آگے بڑھ کے وہ پیچھے کو ہٹ جاتے
وفاداروں کی تھی اولاد غیرت سے نہ کٹ جاتے

حضرت عباس کو امامِ عالیمقام سے جدا کرنے کی کوشش

لکھا عباس کو ماموں نے خط بیٹا مناسب ہے
رفاقت چھوڑ دو شبیر کی ایسا مناسب ہے

کہ ایسے وقت میں اپنی حفاظت چاہیے سب کو
یہ ضد اچھی نہیں کرلیں اطاعت چاہیے سب کو

پڑھا عباس نے خط تو نہایت جوش میں آیا
وہیں پھینکا زمیں پر خط کو اور قاصد سے فرمایا

مرے ماموں سے کہدینا ترے بھانجے نہیں ایسے
لعینوں کی کریں بیعت یہ ہو سکتا نہیں اُن سے

محافظ ہو خدا جن کا تو خط کی کیا ضرورت ہے
ترا "خطِ اماں" مری نگہ میں بے حقیقت ہے

مشیّت میں ہے جو کچھ ہو رہیگا کیا ڈراتے ہو
یہ کیا اولادِ اسد اللہ کو بزدل بناتے ہو

امامِ وقت کو میں چھوڑ دوں یہ ہو نہیں سکتا
غلامی کا یہ رشتہ توڑ دوں یہ ہو نہیں سکتا

شمر لعین کی ایک ناکام کوشش

سنا ہے شمر بھی عباس کے تھا رشتہ داروں میں
مگر تقدیر سے شامل تھا شامی نابکاروں میں

وہ آیا رات کو عباس سے "ذکر اماں" کرنے
لگا شبیر سے عباس کو کچھ بدگماں کرنے

کہا عباس نے او بے حیا یہ گفتگو کیا ہے
تو فرزندِ علی کے دوستوں کو کیا سمجھتا ہے

ترے لالچ میں آ جائیں یہ ممکن ہو نہیں سکتا
فریبِ شمر کھا جائیں یہ ممکن ہو نہیں سکتا

بس اب تو سامنے سے دور ہو بدبخت رخصت ہو
ترے افعال پر کردار پر نیت پہ لعنت ہو

نہم محرم کے واقعات

سپاہِ شام کو حکم کمربندی ملا آخر
خیامِ شاہ کو لشکر کا لشکر چل پڑا آخر

زمین و آسماں میں ایک غوغا تھا قیامت کا
فضائے کربلا میں شور برپا تھا قیامت کا

ہر ایک شامی کے دل میں خون ناحق کی تمنا تھی
جنونِ مال و زر تھا۔ خواہش اموالِ دنیا تھی

سلاحِ جنگ سے آراستہ پیراستہ ہو کر
بڑھے میدانِ کارزار کو خونیں ادا ہو کر

سپاہ شام کو امام علیہ السلام کا پیغام

کہا شبیر نے کہدو یہ اتنا شام والوں سے
نہیں ڈرتے تمہاری تیغ سے نیزدل کے بھالوں سے

مگر ہم چاہتے ہیں تم سے مہلت آج کے دن کی
مناسب ہو تو دیدو ہمکو رخصت آج کے دن کی

کہ ہم یہ رات بھی یادِ الٰہی میں بسر کرلیں ؎
عبادت اور استغفار میں پیدا اثر کرلیں
اگرچہ آج ساری فوج تھی موجود باوردی
مگر کچھ سوچ کر یہ جنگ کل پر ملتوی کردی

پانی کی تلاش

نہم تاریخ کو یہ حال تھا پانی کی قلت کا
یقین ہونے لگا ہر ایک کو اپنی شہادت کا
جوان و پیر سب بن آب خیموں میں سسکتے تھے
وہ قحطِ آب تھا آنکھوں میں آنسو آنہ سکتے تھے
سکینہ مضطرب تھی پیاس سے کچھ کہہ نہ سکتی تھی
مصیبت تھی مگر وہ بن کہے بھی رہ نہ سکتی تھی
گئی پھوپھی کی خدمت میں کہ بیچینی بیان کردے
گذرتی تھی جو کیفیت وہ صورت سے عیاں کردے
مگر دیکھا کہ اصغر پیاس کے مارے بلکتا ہے
مثالِ ماہیٔ بے آب گودی میں تڑپتا ہے
سکینہ دم بخود حیران و سرگشتہ پریشاں تھی
لگی تھی آگ سینے میں لبوں پر آہ سوزاں تھی
کہا پھوپھی سے اصغر کیلئے پانی کہیں ڈھونڈو
اِدھر ڈھونڈو، اُدھر ڈھونڈو جہاں چاہو وہیں ڈھونڈو
مرا بھائی اگر دم توڑ دیگا پیاس کے مارے
تو چل جائینگے میرے قلب نامسرور پر آرے
کسی ہمسائیگی میں جاکے پانی مانگ لے پھوپھی
تو خود جا کر کسی سے منہ زبانی مانگ لے پھوپھی

ترا کہنا۔ زمین پر پھینک سکتا ہی نہیں کوئی
خبر ہے سب کو۔ تو ہے سیّد الکونین کی بیٹی ؟

تیرا جانا مرے بھائی کے حق میں زندگی ہوگی
گلِ افسردہ پر پھر از سر نو۔ تازگی ہوگی

جو پانی مانگنے بہر علی اصغر گئی زینب
ہر اہل بیت کے خیمے میں خود چل کر گئی زینب

لئے پھرتی تھی اک ننھی سی جاں ہر آں ہاتھوں پر
گماں ہوتا تھا شاید ہے کوئی قرآن ہاتھوں پر

جہاں پہنچی وہیں ناکامیوں نے شکل دکھلائی
جسے دیکھا وہ صورت بیقرارانہ نظر آئی

کئی بچے تلاش آب میں بیتاب پھرتے تھے
وفورِ تشنگی سے خاک پر ہر بار گرتے تھے

بریر ہمدانی کی تقریر

بریر نیکدل نے جب یہ دیکھا حال بچوں کا
کہا اے دوستو افسوس ہے ان بال بچوں کا

غضب ہے۔ دخترانِ فاطمہ بن آب مرجائیں
بلکتے ہی بلکتے ننھی جانوں سے گذر جائیں

یہ کیوں؟ بے فائدہ ہاتھوں میں ہیں خونریز شمشیریں
خدا کیواسطے کچھ تو کرو پانی کی تدبیریں

اُٹھے دو چار غیرت مند دریا کی طرف آئے
تو بھر کر مشک واپس کاٹکر دشمن کی صف آئے

یہاں خیموں میں بچے منتظر تھے آبِ دریا کے
نہایت خوش ہوئے اس تشنگی میں مشک کو پا کے
کوئی تو مشک کو رہ رہ کے چھاتی سے لگاتا تھا
کوئی رخسار رکھکر لطف ٹھنڈک کا اٹھاتا تھا
غرض اک مشک پر تشنہ دہن بچوں کا قبضہ تھا
ہر اک کو سب سے پہلے پانی پینے کا تقاضا تھا
یکایک کھل گیا منہ مشک کا اور بہہ گیا پانی
بہاریتی پہ پھر اک نقش بن کر رہ گیا پانی

شب عاشورہ

یہ شب وہ تھی کہ جسکے خوف سے تارے لرزتے تھے
زمین کو زلزلہ تھا۔ آسماں سارے لرزتے تھے
خموشی اپنے اندر شورِ محشر لے کے بیٹھی تھی،
سیاہی آستیں میں تیز خنجر لے کے بیٹھی تھی
اجل پر زبے اُڑانا چاہتی تھی رختِ ہستی کے
مٹانا چاہتی تھی نقش اس دنیا کی لبتی کے
یہ شب وہ تھی کہ اہل بیت پر ہو کر گراں گذری
یہ شب وہ تھی کہ جو زندوں پہ ہو کر نوحہ خواں گذری
ادھر تو تشنگی کی بیقراری حد سے گذری تھی
اُدھر اُن شامیوں کی بادہ خواری حد سے گذری تھی
حسینؑ ابنِ علیؑ شب بھر رہے یادِ الٰہی میں
جلائیں بندگی کی مشعلیں شب کی سیاہی میں
خدا کی بارگاہ میں مغفرت کی التجائیں کیں
ستمگاروں کے حق میں آپ نے صدہا دعائیں کیں

صبحِ عاشورہ

ہوا جب دامنِ شب چاک گردوں تھرتھرا اٹھے
زمیں چکر میں آئی دشت وہاموں تھرتھرا اُٹھے

مصیبت کے تصور میں تارے کھو گئے ایسے
کوئی تنگ آ کے آغوشِ فنا میں سو رہے جیسے

سپیدیٔ سحر کیا تھی بیاضِ غم کا عنواں تھی
شفق کیا تھی فقط اک سرخیٔ خونِ شہیداں تھی

صبا بھی آہیں بھرتی اس بیاباں سے گذرتی تھی
فضا اس دشتِ نامسعود پر فریاد کرتی تھی

پرندوں کی کوئی آواز نے چہکار آتی تھی
فقط آلاتِ حرب وضرب کی جھنکار آتی تھی

سحر خورشید اعاشورے کو پہچانے ہوئے نکلا
شعاعوں کی بجائے برچھیاں تانے ہوئے نکلا

جنگ کربلا کا آغاز

مسلمانو! سنو مت قتل پر میرے کمر باندھو
نصیحت تم کو کرتا ہوں۔ گرہ میں سوچ کر باندھو

میں کہنا چاہتا ہوں۔ تم رہِ انصاف پر آؤ
دگرنہ جو ارادہ ہے۔ اسے انجام پر لاؤ

ستمگارو تمہیں معلوم ہے حسب ونسب میرا
تمہیں تو چاہیئے تھا شامیو! کرنا ادب میرا

محمد مصطفےٰ کی دخترِ اطہر کا بیٹا ہوں
علی المرتضےٰ فاتحِ خیبر کا بیٹا ہوں

بتاؤ تو سہی میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے
کیا ہے کونسا نقصان گنہ آخر کیا کیا ہے

کسے زخمی کیا میں نے۔ کسے آزار پہنچایا
کسے میں نے ہے زخمِ خنجرِ خونخوار پہنچایا

یہ کس پاداش میں ہے آپ کا طرزِ عمل بدلا
کہ لینا چاہتے ہو۔ تم جو مجھ سے خون کا بدلا

دوسرا خطبہ

قسم دیتا ہوں میں۔ کیا تم نہیں پہچانتے مجھکو
میں فرزندِ علیؑ ہوں۔ کیا نہیں تم جانتے مجھکو

مری ماں فاطمہ بنتِ نبیؐ خاتون جنت ہے
مری دادی مسلماں عورتوں میں پہلی عورت ہے

تمہیں معلوم ہے سر پر مرے دستار ہے کس کی؟
تمہیں معلوم ہے پہلو میں یہ تلوار ہے کس کی؟

قسیمِ نار و جنت کون ہے معلوم ہے تم کو؟
علمدار شفاعت کون ہے معلوم ہے تم کو؟

غضب ہے۔ تم ہمارا خوں بہانے پر ہو آمادہ!
بنے جاتے ہو جنت چھوڑ کر دوزخ کے دلدادہ!!

یقین جانو کہ دنیا میں سدا رہتا نہیں کوئی
یہ وہ در ہے۔ جہاں دائم پڑا رہتا نہیں کوئی

یہ دنیا ایک حالت پر سدا قائم نہیں رہتی
جو حالت آج ہے یہاں لو دائم نہیں رہتی

فنا ہے ۔ لازمی ہر چیز کو ہر چیز فانی ہے
سمجھتے ہو جسے دنیا وہ اک جھوٹی کہانی ہے

مگر تم ہو مٹے جاتے ہو عزو جاہ و دولت پر
سمجھتے ہو روا ہر ظلم فرزند رسالت پر

مسلماں ہو مسلمانی کا دعوےٰ تم بھی رکھتے ہو
کلام اللہ نہایت شوق سے ہر روز پڑھتے ہو

مگر اولادِ احمد پر ستم کرتے نہیں ڈرتے
اور اُن کے سر کو تیغوں سے قلم کرتے نہیں ڈرتے

غضب ہے آب دریا بہ رہا ہے شان و شوکت سے
یہودی بھی نصاریٰ بھی پیئے جاتے ہیں کثرت سے

وحوش و طیر بھی خنزیر بھی سگ بھی پیئے جائیں
مگر اولادِ احمدؐ کو دکھا کر آب ترسائیں

تیسرا خطبہ

حمد

خداوندِ دو عالم کی ثنا خوانی مقدم ہے
وہی ہے قادرِ مطلق وہی خلّاقِ عالم ہے

کیا دنیا کو پیدا اس نے اپنے اک اشارے سے
کیا افلاک کو قائم فضا میں بن سہارے کے

ہر اک شے کو کمال فن سے پیدا کر دیا اس نے
کیا ہر چیز کو پھر اپنی قدرت سے فنا اس نے

بہت مغرور ہے وہ شخص جو دنیا کا سائل ہے
شقی ہے وہ کہ جو اس عالمِ فانی پہ مائل ہے

خطبہ

تم اے لوگو۔ فریب و مکرِ دنیا میں نہ آجاؤ
کھلونے ہیں یہ امیدیں نہ اپنے جی کو بہلاؤ

جو اس دنیائے بے معنی سے اپنا دل لگائیگا
یقیناً ایک دن حد سے سوا نقصاں اُٹھائیگا

بس اب میں تم سے کہتا ہوں تمہارا جو ارادہ ہے
سراب آرزو ہے اور سراسر ایک دھوکا ہے

تمہارا یہ عمل نزدِ خدا اچھا نہیں ہوگا
بہانا خونِ ناحق تم کو کچھ زیبا نہیں ہوگا

حُر کا خدمتِ امام میں حاضر ہونا

امامِ وقت کے جب استغاثے سن لیے حر نے
نصیحت کے تھے جتنے پھول سارے چن لیے حر نے

طبیعت نے کہا یہ وقت ہے شہ کی اعانت کا
کہا دل نے یہ موقعہ ہے خریدارئ جنت کا

یہ دل میں ٹھان کر فوجِ عدو سے حُر نکل آیا
بنامِ حق۔ گروہِ تند خو سے حُر نکل آیا

شہِ عالی کے پائے پاک پر سر رکھدیا اپنا
کمر سے کھول کر قدموں میں خنجر رکھدیا اپنا

گناہوں کی معافی پر لگا وہ سسکیاں بھرنے
وفورِ جوشِ گریہ سے لگا وہ ہچکیاں بھرنے

گذشتہ زندگی کے کارنامے یاد آتے تھے
ندامت خیز تھے جو جو عمل آنکھیں دکھاتے تھے

اُدھر حُر کی طرف سے پیش جملہ التجائیں تھیں
ادھر شاہِ عرب نے بخشدیں جتنی خطائیں تھیں

فوج امام پر عمرِ سعد کا پہلا حملہ

عمر نے جب یہ دیکھا حُر بھی رخصت ہو گیا ہم سے
حسینؑ ابنِ علیؑ سے مل کے کرتا ہے دغا ہم سے

پکارا فوج کو اب یہ نہیں ہے وقت غفلت کا
سنبھالو تیر و پیکاں آچکا ہے وقت ہمت کا

امامِ انس و جاں پر تیر پھینکا اور چلّایا
رہو شاہد کہ سب سے پہلے میں نے تیر ہے پھینکا

دیا پھر حکم اپنی فوج کو۔ اب دیکھتے کیا ہو
کماندارو۔ ذرا یکبارگی تیروں کی بر کھا ہو

لڑائی کی ہوئی میدان میں اب گرم بازاری
ادھر نورانیوں کی فوج اُدھر ہے لشکرِ ناری

عبداللہ ابنِ عمیر کی شہادت

یہ پہلا شخص ہے جس نے لیا درجہ شہادت کا
عدو سے لڑ کے پہلے بن ہوا مہمان جنت کا

جناب حُر کے فرزند ارجمند کی شہادت

جناب حُر کے بیٹے نے بھی جاں اپنی فدا کر دی
جو کرنا چاہئے تھی اسکو وہ خدمت ادا کر دی

تنِ واحد نے کتنے شامیوں کو قتل کر ڈالا
کیا تلوار سے اجسامِ اعدا کو تہ و بالا

اُتارا پھر جواں نے بارِ نصرت اپنی گردن سے
ہوا واصل بحق آخر وہ ضربِ تیغِ دشمن سے

حضرت حُر کی شہادت

وہ دیکھو اک جوانِ جنگجو میدان میں آیا
ہزاروں شامیوں کے روبرو میدان میں آیا

زمیں دبتی ہے اسکے رعب سے گردوں لرزتے ہیں
جبل تھرا گئے ہیں خوف سے ہاموں لرزتے ہیں

جوانانِ بہادر آج کچھ سہمے ہوئے سے ہیں
وفادارانِ تخت و تاج کچھ سہمے ہوئے سے ہیں

بڑھے آتے ہیں آگے اسطرح اسبِ خراماں پر
کہ جیسے بیٹھ کر آئے کوئی تختِ سلیماں پر

لیا شمشیر کو قبضے میں یوں ۔ مردِ شجاعت نے
اجل کو جیسے کر رکھا ہو ۔ قابو دستِ قدرت نے

رجز پڑھتے مقابل کو طلب کرتے ہوئے آئے
عُدو کے حق میں اظہارِ غضب کرتے ہوئے آئے

کئی دشمن مقابل ہو کے آئے ضرب کھانے کو
کئی کوفی بڑھے آگے جہنم کے بسانے کو

جو آیا سامنے اک وار میں فی النّار کر چھوڑا
مقابل جو ہُوا اس کو تہِ تلوار کر چھوڑا

عدو کی فوج میں تلوار نے ہلچل مچا ڈالی
یہی معلوم ہوتا تھا ہُوا میدان اب خالی

عمر بن سعد اپنی فوج سے للکار کر بولا
کرو بوچھاڑ تیروں کی ذرا دھتکار کر بولا

ہزاروں تیر اک جانِ حزیں پر آن کر برسے
لگا بہنے لہو سیروں بدن سے فرق سے سر سے

گرا بیہوش ہو کر کربلا کی خاک پر غازی
صدا آئی ہزاروں کوفیوں میں لے گیا بازی

حضرت حُر کے بھائی مصعب ابن زید کی شہادت

جنابِ حُر کے بھائی بھی شریکِ فوجِ اعدا تھے
جو دیکھا حُر کو شہ کے پاس آئے وہ بھی آپہنچے

کہا مجھکو بھی اے شاہِ ہدا راہِ ہدایت دے
مجھے بھی اپنے دشمن سے ذرا لڑنے کی رخصت دے

شہادت ہو چکی جب حُر کی میدانِ شہادت میں
تو مصعب لے کے رخصت آ گئے میدانِ ضربت میں

چلائیں شامیوں کے سر پہ وہ پُر زور تلواریں
کہ ریتی پر بھی ہر سُو۔ دوڑتی تھیں خون کی دھاریں

کیا میدان میں حقِ جواں مردی ادا آخر
ہوا پھر زخم کھا کر راہیِ ملکِ بقا آخر

بُریر ہمدانی کی شہادت

بریر نیک خو بھی اس قیامت کا دلاور تھا
جو آیا کوئی سامنے فی الفور بے سر تھا

دکھائے خوب اپنی تیغِ جوہر دار کے جوہر
کمالِ فن سے اپنے رکھدیا تھا کاٹ کر لشکر

مقدر تھی شہادت وقف ضربت ہو گئے آخر
عدو کے ہاتھ سے جنت کو رخصت ہو گئے آخر

وہب ابن عبداللہ الکلبی

جناب وہب کلبی بھی گئے میدانِ ہمت میں
لڑے فوج عدو سے سرخرو نکلے شجاعت میں

چکھائی بیسیوں کو اس نے لذت آب خنجر کی
پھر آخر کار اپنی جاں بھی صرف خدا کر دی

جناب وہب کی بیوی گئی جو لاشِ اطہر پہ
کسی شامی نے مارا گرزِ آہن اسکے مغفر پہ

وہ بیچاری بھی بس ماری گئی ہمراہ شوہر کے
گئے جنت کو دو لو ہو کے پیاسے آبِ کوثر کے

عمر ابن خالد الازدی کی شہادت

عمر بھی حضرتِ شبیر کے تھے جانثاروں میں
لڑے اور لڑ کے جا پائی عدم کے لالہ زاروں میں

خالد ابن عمر کی شہادت

عمر کے بعد خالد ہو گئے دوچار دشمن سے
لڑے جاں توڑ کر ہر ایک ناہنجار دشمن سے
لعینوں کو فنا فی النار کر کے ہو گئے رخصت
جواں مردی کا بیڑا پار کر کے ہو گئے رخصت

سعد ابن حنظلہ تمیمی کی شہادت

تمیمی شیر بیشہ کی طرح دشمن پہ جا لپکا
جو آیا سامنے سر اسکا فرش خاک پر پٹکا
قضا آئی تھی ہر اک فرد کو۔ آئی قضا آخر
شہید خنجر جور و جفا وہ بھی ہوا آخر

عمیر ابن عبداللہ مذحجی کی شہادت

عمیر نامور آئے۔ رجز پڑھتے ہوئے آئے
گھٹا کی طرح دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے آئے
دکھلائے آپ نے وہ ہاتھ اپنی تیغ براں کے
کہ لاشوں سے ہوئے آباد سب گوشے بیاباں کے
بالآخر آپ بھی رخصت ہوئے دنیائے فانی سے
ہوئے قربان ہو کر سرخرو زہرا کے جانی سے

مسلم ابن عوسجہ کی شہادت

عقیدت مند مسلم ۔ باوفا مسلم ۔ جواں مسلم
عدو کی فوجِ کم ہمت ۔ پہ ٹوٹے ناگہاں مسلم

رجز پڑھتے ہوئے ۔ بڑھتے ہوئے لڑتے ہوئے مسلم
عدو کے سر پہ تیغ خونفشاں جڑتے ہوئے مسلم

یکایک گر گئے تیروں کے صدمے سے وہ میداں میں
تڑپ کر جان دیدی جا بسے گلزارِ رضواں میں

مسلم ابن عوسجہ کے صاحبزادے کی شہادت

کمر باندھی وغا کرنے کو پھر مسلم کے بیٹے نے
گئے میدانِ کارزار میں دادِ وفا دینے

بنایا شامیوں کو لقمۂ تیغ اجل اس نے
کئے فوج عدو پر پے بہ پے حملے اٹل اس نے

مآلِ کار ۔ بعد از کشت و خوں دشمن کی بن آئی
تو کی مسلم کے بیٹے نے عدم کی جادہ پیمائی

ہلال ابن نافع بجلّی کی شہادت

ہلالِ ابن نافع سا بہادر بھی نہیں دیکھا
دلاور بھی نہیں دیکھا نہیں ایسا حسین دیکھا

نہایت خوش جمال و ماہ پیکر خوبصورت تھا
بڑا ناوک فگن تیغ آزما۔ اہل شجاعت تھا

گیا رن میں تو جا کر اس طرح تیغ آزمائی کی
نظر آتی نہ تھی دشمن کو بھی صورت رہائی کی

لڑائی میں اگرچہ کٹ گئے تھے آپکے بازو
مثالِ سروِ بستاں چھٹ گئے تھے آپ کے بازو

مگر پھر بھی لڑے جاتا تھا سر سے اپنے شالوں سے
رجز پڑھ کر لئے جاتا تھا بدلہ بدزبانوں سے

ہزاروں دشمنوں میں اک بہادر گھر گیا آخر
اسے قبضے میں جملہ کوفیوں نے کر لیا آخر

بحکمِ شمر تیغِ جانستاں سے قتل کر ڈالا
لعینوں نے اُسے افسوس جاں سے قتل کر ڈالا

نافع ابنِ ہلال کی شہادت

ہلالِ ابنِ نافع کی شہادت ہو چکی جب دم
تو نافع اس کا بیٹا۔ رن میں آیا صورتِ ضیغم

رجز کے طور پر۔ وہ دمبدم اشعار پڑھتا تھا
عدو کی فوج پر کھینچے ہوئے تلوار بڑھتا تھا

جو آیا سامنے اک وار میں دو کر دیئے اس نے
ستیزہ گاہ میں لاشوں کے لاشے بھر دیئے اس نے

فوجِ حسینی پر یکبارگی حملہ

عمر نے جب یہ دیکھا ہے بہت مشکل ظفر مندی — تو کی پھر از سرِ نو لشکرِ کوفہ کی صف بندی

کہا افسوس ہے۔ تم پر کہ تم ہمت سے ہو عاری — کہ ہر فردِ حسینی تم سے صدہا پر بھی ہے بھاری

بس اب بے سُود ہے اک ایک ہو کر ایک سے لڑنا — اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر ایک سے لڑنا

چلاؤ تیر و پیکاں۔ کھینچ لو گوشے کمانوں کے — نکالو تیغ۔ کر لو تیز پھل اپنی سنانوں کے

بڑھو گر جاؤ بجلی بن کے تم فوجِ حسینی پر — چلو چھا جاؤ بیشک تن کے تم فوجِ حسینی پر

کیا یکبارگی حملے پہ حملہ شام والوں نے — کیا اک مٹھی بھر لشکر پہ ہلّہ بدخصالوں نے

حسینؑ ابنِ علیؑ کے لشکری کل تیس کام آئے — اُدھر اُن شام والوں کے کئی سو بیس کام آئے

حبیب ابن مظاہر کی شہادت

نمازِ ظہر کا تھا وقت جب ابنِ مظاہر نے — دکھایا قہر اور شانِ غضب ابنِ مظاہر نے

علم کی تیغِ خوں آشام فوجِ شام پر اس نے — دکھا دی جرأت و ہمت خدا کے نام پر اس نے

بظاہر وہ کہن سالہ تھا لیکن تھا جواں ہمت
کہ پیرانہ سری میں بھی کیے با سٹھ جواں غارت
مگر آخر حصینِ سفلہ پرور رُوبکار آیا
سرِ ابنِ مظاہر کاٹنے کو نابکار آیا

میدانِ کربلا میں ظہر کی نماز

زہیر ابنِ قین اور سعید ابن عبداللہ کی شہادت

یہ وقت ظہر ہے اور اضطراب انگیز ہے گرمی
زمیں جلتی ہے سورج کی تپش سے تیز ہے گرمی
غضب کی آنچ تو چلتی ہے سم آلود ہیں موجیں
مگر آمادۂ پیکار ہیں شبیر کی فوجیں
بدن جلتا ہے دم گھٹتا ہے پیہم سانس رکتی ہے
قیامت کی گھڑی ہے رونما آفت کی گرمی ہے
مگر ان آفتوں میں بھی نہیں بھولے نماز اپنی
دکھاتے ہیں خدا کو بے نیازانہ نیاز اپنی
فلک نے کربلا میں لیکے دوزخ کی زمیں رکھدی
اُسی آتشکدہ پر شاہ نے اپنی جبیں رکھدی
ادا ہونے لگی "یادِ خدا" تیروں کی بارش میں
جھکا سجدے میں شاہِ دوسرا تیروں کی بارش میں
سعید و ابنِ قیں دونو کھڑے ہیں پاسباں ہوکر
نمازی شاہ پر چھلے ہوئے ہیں سائباں ہوکر
بہادر جانثاری سے کچھ ایسا کام لیتے ہیں
ہر اک ناوک کو وہ سینے پہ اپنے تھام لیتے ہیں

ہوئے جنت کو راہی تیر کھا کر دونو فرزانے
مگر مرد مجاہد پر نہیں دی آنچ تک آنے ؎

ابوتمامہ صیداوی کی شہادت

تمامہ ابنِ صیداوی نے کی وہ جنگ دشمن سے
کہ آخر کار رخصت دیدی اپنی روح کو تن سے

حجاج ابنِ مسروق کی شہادت

عدوئے دین سے حجاج نے ایسی لڑائی کی
کہ جس سے دشمنوں نے خوف کے مارے دہائی کی
بالآخر ہوگیا نذرِ شہادت وہ جواں غازی
بہا کر اپنا خونِ پاک آخر جیت لی بازی

مبارک غلامِ حجاج کی شہادت

مبارک نام بھی نامِ خدا کیسا مبارک ہے
یہ خود جیسے مبارک نام بھی ویسا مبارک ہے
شہیدِ اشقیا ہو کر ہوئے جنت کو وہ راہی
غلامِ بے نوا ہو کر ملی فردوس کی شاہی

یحییٰ ابن کثیر کی شہادت

کیا فی النار کتنے شامیوں کو تیغِ یحییٰ نے
چلے پھر شاد ہو کر آپ جنت کی ہوا کھانے

یحییٰ ابن سلم مازنی کی شہادت

سعادتمند یحییٰ ابھی ہوا دوچار دشمن سے
شہادت پا گیا جانباز آخر کار دشمن سے

حنظلہ ابن السعد الشامی کی شہادت

جناب حنظلہ ایسے بہادر اور دلاور تھے
ہزاروں کوفیوں پر آپ واحد حملہ آور تھے

حسین ابن علی کی سمت کو جو تیر آتے تھے
یہ وہ مرد مجاہد تھے سپر سینہ بناتے تھے

عدو شمشیرِ شعلہ ریز کی جب آنچ دیتے تھے
تو آگے بڑھ کے وہ سینے پہ اپنے تھام لیتے تھے

وفاداری کی آخر کار اس نے انتہا کر دی
لڑے دشمن سے جاں اپنی سپردِ کبریا کر دی

عبدالرحمٰن ابن عبداللہ الیزنی کی شہادت

رجز پڑھتے ہوئے جو عبدِ رحمٰن آئے میداں میں
لڑے اتنے کہ تھک کر سو گئے اس دشت ویراں میں

عمرو ابنِ قرطبہ الانصاری کی شہادت

عمر بھی اپنے شاہِ نینوا پر جاں سے قرباں تھا
بہادر تھا دلاور تھا جواں تھا۔ مردِ میداں تھا
لڑا فوجِ عدو سے اس تہوّر خیز جرأت سے
کہ استقبال کو حوریں چلیں گلزارِ جنت سے

جوَن غلامِ ابی ذر غفاری کی شہادت

ابی ذر کا غلامِ نامور۔ جوَنِ حیا پیکر
اجازت کے لئے آیا حضورِ سبطِ پیغمبر
بڑھاپے کے سبب سے گو خمیدہ تھی کمر اُن کی
جوانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہمت تھی مگر انکی
جونہی شہ نے اجازت کیلئے کچھ حیل و حجت کی
سمجھ کر یہ کہ بوڑھے میں نقاہت ہے قیامت کی
تو بولا جون اے شاہا! میں کیوں ناکامِ قسمت ہوں
یہی شاید گنہ ہوگا کہ نامقبول صورت ہوں
بدن سے بھی مرے آتی ہے بوئے ناپسندیدہ
مرا حسب و نسب انسابِ عالم میں نہیں چیدہ
مری ناکامیٔ قسمت کا شاید ہے یہی باعث
مری محرومیٔ جنت کا شاید ہے یہی باعث
نہیں منظور شاید۔ رنگِ رُخ میرا ہو نورانی
شرافت سے مشرف نسل ہو میری بہ آسانی

وفادارانہ و پرجوش جب تقریر کی اس نے ۔ اجازت جنگ کی سید سے آخر مانگ لی اس نے
چلا سوئے وغا دشمن سے دو دو ہاتھ لڑنے کو ۔ سمجھتا تھا سعادت وہ عدو کے ساتھ لڑنے کو
بہت سے دشمنوں کو تیغ سے فی النار کر ڈالا ۔ شہادت پاکے پہنچا وہ سوئے عالمِ بالا
حسینِ بے نوا اس باوفا کی لاش پر آئے ۔ سر بالیں کھڑے ہو کر دعا کے ہاتھ پھیلائے
کہا۔ یارب تو اسکے منہ کو روشن کر صباحت سے ۔ بدن کو اسکے خوشبو کر دے اپنی شان قدرت سے
لکھا ہے جب صبا اس لاش پر سے ہو کے جاتی تھی ۔ تو بوئے مشک اسکے جسم سے ہر بار آتی تھی

عمر ابنِ خالد صیداوی کی شہادت

عمر بن خالدِ شمشیر زن میدان میں آیا ۔ تو صد ہا دشمنوں کو مار کر جنت میں گھر پایا

سوید ابن عمرو کی شہادت

سویدِ صاحبِ عرفاں نے جب تلوار کو کھینچا ۔ بہت سے دشمنوں کو مار کر سوئے سقر پھینکا
پھر آخر کار وہ بھی ہو کے بسمل گر گیا رن میں ۔ عدو سب سمجھے کہ شاید مر گیا جاں تک نہیں تن میں
کوئی بھی بعد ازاں اسکی طرف آنے نہیں پایا ۔ کوئی بھی اسکے جینے کا گماں دل میں نہیں لایا

یہاں تک جب شہادت سید والا نے فرمائی
اٹھا پھر تیغ لے کر دشمنوں سے کی صف آرائی

قرہ ابن قرۃ الانصاری کی شہادت

رجز پڑھتے ہوئے قرہ نے دشمن پر کیا حملہ
شہادت پا کے پھر وہ جنت الفردوس میں پہنچا

انس ابن حارث المالکی کی شہادت

جناب انس جو میداں میں آئے وہ لڑائی کی
کہ صدہا دشمنوں کو مار کر مارے گئے خود بھی

عمرو ابن مطاع الجعفی کی شہادت

امام انس وجاں نے اس جوانِ نیک نیت سے
کہا اے نوجواں باز آ لڑائی کی اجازت سے

تمہاری والدہ کو موت پر بے حد قلق ہوگا
یقیناً اس کا سینہ فرطِ رنج و غم سے شق ہوگا

کہا اس نوجوان نے اے امامِ یثرب و بطحا
مجھے ماں نے اجازت دی ہے لڑنے کیلئے شاہا

یہ وہ تلوار ہے جو ماں نے دی ہے مجھکو لڑنے کو
یہ وہ نیزہ ہے جو سینہ میں ہے دشمن کے گڑنے کو

امام دو جہاں نے اس کو رخصت جنگ کی دے دی

لڑا وہ دشمنوں سے اور جگہ فردوس میں لے لی

جنادہ ابنِ حارث الانصاری کی شہادت

جنادہ نے بنایا دشمنوں کو تیغ کا لقمہ
چلا خلد بریں کو دے کے وہ اعیشار کو چکر

عمر ابنِ جنادہ کی شہادت

بہت سے کوفیوں کو تیغ سے دوزخ میں پہنچا کر
وہ خود بھی سو گئے جام شہادت نوش فرما کر

عابس ابنِ شبیب کی شہادت

جسے کہتے ہیں عابس اک بلا ہمت جواں نکلا
مقابل میں نہ کوئی جس کے کوئی پہلوان نکلا

ہزاروں پہلوان فوجِ عدو میں سر بسر چپ تھے
وہ تھا ایسا بہادر اسکو سارے دیکھ کر چپ تے

عمر نے جب یہ دیکھا حال اپنے اہلِ لشکر کا
تو اسکے دل میں غصہ بسکہ شعلے کی طرح بھڑکا

کہا اس نوجواں پر سنگ باری کیجئے لوگو
اکیلا میہماں ہے خوب مہمانی کرو لوگو

یکا یک پتھروں کی ہو گئی بوچھاڑ عابس پر
مگر وہ نوجواں تقدیر سے اپنی نہ تھا مضطر

زرہ بکتر اتارے رکھدیئے ہتھیار لڑنے کے
سپر سینہ بنایا چھوڑ کر اطوار لڑنے کے

ادھر رن میں کھڑا تھا وہ مجاہد تان کر سینہ
اُدھر پتھر کی چوٹیں توڑتی تھیں آن کر سینہ

ہزاروں شامیوں نے بے گنہ پر سنگباری کی
مگر اس شیر نے اف کی نہ مطلق آہ وزاری کی

وہ ہمت تھی سبق جس سے جگر داری کا لیتے تھے
وہ استقلال تھا جس پر عدو بھی داد دیتے تھے

عیاں جب ہو چکی فوجِ عدو کی بزدلی سب پر
تو لایا۔ نعرۂ تکبیر۔ عابس نوجواں لب پر

نکالی تیغِ خوں آشام دشمن کی تباہی کو
پریشاں کر دیا میداں میں ہر فوجی سپاہی کو

ہوئی جب منتشر فوجِ عدو بے آبرو ہو کر
تو پھر خود بھی سدھارے سوئے جنت سرخرو ہو کر

عبد اللہ اور عبد الرحمٰن کی شہادت

یہ دو نو نوجواں آئے طلب کی جنگ کی رخصت
اجازت دیدی شاہِ ہر دو عالم نے بصد شفقت

کیا حاصل جواں مردوں نے بھی رتبہ شہادت کا
نثارِ ابن حیدر ہو گئے پایا قصر جنت کا

غلام امام زین العابدین کی شہادت

غلامِ عابد بیمار بھی میدان میں آیا
نمکخواری کا حق پورا کیا جنت میں گھر پایا

غلاموں پر نوازش اسقدر تھی آلِ احمد کی
کہ ان کا سر تھا اور گودی تھی فرزندِ محمدؐ کی

امامِ دو جہاں نے اس غلامِ نیم بسمل کو ۔ لیا گودی میں جیسے لے کوئی آغوش میں دل کو
سعادتمند اپنی اس سعادت پر ہوا نازاں ۔ شہیدِ باوفا اپنی شہادت پر ہوا نازاں

یزید ابنِ زیاد کی شہادت

یہ تھا ایسا مجاہد مرد جس کے پاس ترکش میں ۔ فقط تھے تیر چھ دو آٹھ لے وسواس ترکش میں
کرے آٹھوں کے آٹھوں اُس نے استعمال دشمن پہ ۔ نشانے خوب بیٹھے آن کر دو چار کے تن پر
شریرانِ جفا پیشہ نے کی اس پر جفا آخر ۔ چلا وہ رہرورِ راہِ فنا۔ سوئے بقا آخر

ابو عمر کی شہادت

یہ شیرِ زخم خوردہ کی طرح دشمن پہ جا ٹوٹا ۔ تو اس کو دیکھ کر ہر اہلِ کیں کا حوصلہ چھوٹا
ہزاروں دشمنوں کو رکھ لیا تلوار کے نیچے ۔ ہوئیں کتنی صفیں نابود اک اک وار کے نیچے

شہادت چونکہ ہر اک فرد کے حصے میں آئی تھی
برائے نام ہر فردِ حسینی کی لڑائی تھی

یزید ابن مہاجر کی شہادت

یزید ابنِ مہاجر تیغ سے دشمن کے لڑ بھڑ کر ۔ خدا کے فضل سے آخر وہ پہنچا حوضِ کوثر پر

سیف ابن ابی حارث کی شہادت

جنابِ سیف لیکر سیف دشمن کی طرف لپکا ۔ بزورِ تیغ کتنے دشمنوں کو فرش پر پٹکا
شہیدانِ وفا جنکا قدم ہے آسمانوں پر ۔ قیامت تک رہیگا تذکرہ ان کا زبانوں پر

طرماح ابن عدی کی شہادت

زبانِ تیغ سے کی اس جواں نے شعلہ افشانی ۔ تو صدہا دشمنوں کا خوف سے زہرا ہوا پانی
علیؑ کے قاصدِ رنگیں بیاں آئے ہیں میداں میں ۔ عدو بھی خلعتِ خونیں رقم لائے ہیں میداں میں

نہایت کشت و خوں کے بعد یہ مردِ مجاہد بھی
ہوا انعام پاکر جنت الفردوس کو راہی

شہدائے بنی فاطمہ

وفادارانِ شاہِ دوجہاں جب جا چکے سارے
تو پھر میدان میں آئے بنی ہاشم کے مہ پارے

حضرت عبداللہ ابن مسلم کی شہادت

یہ پہلا غنچۂ باغِ امامت ہے جو کملایا
شریروں نے اسے اپنا ہدف تیروں کا ٹھہرایا

محمدؐ ابن مسلم کی شہادت

محمدؐ ابنِ مسلم بھی چلے ہمراہ بھائی کے
زمانہ بھر کو دکھلاتے ہوئے جوہر لڑائی کے

جعفر ابنِ عقیل کی شہادت

پھر اِن کے بعد رن میں جعفر ابنِ عقیل آئے
ہزاروں دشمنوں کے حق میں بنکر رودِ نیل آئے
اتارا گھاٹ پر شمشیر کے۔ اکثر جوانوں کو
کیا برباد آبِ تیغ سے کتنے گھرانوں کو

عبدالرحمٰن ابنِ عقیل کی شہادت

شہادت گاہ میں آئے وہ تحصیلِ سعادت کو
مآلِ زندگی اپنا سمجھتے تھے شہادت کو

عبداللہ ابنِ عقیل کی شہادت

ہوئے وہ بھی دخیل رزمگاہ کربلا آخر
ہوئے لڑ کر قتیلِ رزمگاہ کربلا آخر

موسے ابن عقیل کی شہادت

چلے موسے بھی رن کو شعلۂ برقِ تپاں ہو کر
کیا برباد شتر کوفیوں کو آسماں ہو کر

عون و محمدؐ کی شہادت

محمد ابنِ عبداللہ بھی میدان میں آئے
شجاعوں کی طرح سے خوب دو دو ہاتھ دکھلائے

کیا پھر عون نے بھی قصد دشمن سے لڑائی کا
ادا حق کر دیا میدانِ غم میں حق ادائی کا

حضرت علی قاسم کی شہادت

علی قاسم ہوئے اسوار شبدیز شجاعت پر
کیا حملہ حسن کے لال نے فوج شقاوت پر

بہادر نامور جو جو مقابل ہو کے آتے تھے
وہ اپنا ہاتھ اپنی زندگی سے دھو کے آتے تھے

کیا فے النار ارزق اور اسکے چار بیٹوں کو
دھکیلا آتشِ دوزخ میں ان قسمت کے ہیٹوں کو

مہارت اسقدر تھی اس جواں کو تیغ کے فن میں
کہ تھوڑی دیر میں ستر جواں بیجاں کیے رن میں

دلیری اور شجاعت دیکھ کر حیراں ہوا لشکر
وہ ہیبت تھی کہ اوساں کھو کے بے اوساں ہوا لشکر

کسی کو روبرو آنے کی ہمت ہو نہ سکتی تھی
مقابل ہو کوئی اتنی بھی جرأت ہو نہ سکتی تھی

لگا بیٹھا تھا کوئی گھات میں قاسم دلاور کی
یکایک تیغ ناہنجار آ کر فرق پر چمکی

دو ٹکڑے کر دیئے تیغِ عدو نے فرقِ قاسم کے
کیا دستار کو رنگیں۔ لہو نے فرقِ قاسم کے

گرے تیورا کے فرشِ خاک پر وہ نوجواں قاسم
پکارے سیدِ والا کو ہو کر نیم جاں قاسم

مرے مولا مرے آقا مرے رہبر۔ مرے عمّو!
مری امداد کو پہنچو مرے سرور مرے عمّو!

کہا لبیک سیّد نے صدائے جاں نگزا سنکر
چلے بے تاب ہو کر وہ نوائے جاں نگزا سنکر

قریب حضرتِ قاسم جو پہنچے جا کے کیا دیکھا
جواں کی لاش کو گھیرے گروہِ اشقیا دیکھا

لپک کر سیّدِ والا نے قاتل پر کیا حملہ
وہ حملہ تھا نہایت ناگریز و بے پنہ حملہ

نتیجہ کھل گیا میداں میں تیغ آزمانے سے
کہ سیدھا ہاتھ کٹ کر رہ گیا دشمن کے شانے سے

ہٹا کر فوج اعدا شاہ آئے لاشِ قاسم پر
بجائے پھول اشکِ خوں چڑھائے لاشِ قاسم پر

وہ حالت تھی کہ صورت تک بھی پہچانی نہ جاتی تھی
یہ کسکی لاش ہے یہ بات بھی جانی نہ جاتی تھی

یہانتک بڑھ چلا تھا ظلم فوجِ کینہ پرور کا
پریشاں ہو رہا تھا ٹکڑا ٹکڑا لاشِ اطہر کا

ہوئی پامال لاشِ گلبدن گھوڑوں کی ٹاپوں سے
ہوا برباد فرزندِ حسن گھوڑوں کی ٹاپوں سے

کہا شبیر نے رو کر بہت افسوس ہے بیٹا
ہمیں تو چھوڑ کر تپتی ہوئی۔ ریتی پہ آلیٹا!

لپیٹا پھر شہ والا نے لاشہ اپنی چادر میں
چلے اور رکھدیا لاشہ خیامِ آلِ اطہر میں

زمیں سے آسماں تک مچ گیا کہرام ماتم کا
صفِ ماتم بچھی خیموں میں تھا کہرام ماتم کا

حضرت عبداللہ الاکبر ابنِ حسن کی شہادت

چلے میدانِ کارِزار میں شیرِ ژیاں ہو کر
گرے اعدا کے سر پر ایک مرگِ ناگہاں ہو کر

بہت سے کوفیوں کو چن لیا شمشیرِ عریاں سے
کیا سب موذیوں کو بے تعلق جسم اور جاں سے

حضرت احمد ابن حسن کی شہادت

اگرچہ پیاس کی شدت سے بیتابی نمایاں تھی
مگر ضربِ جوانِ ہاشمی سے فوج حیراں تھی

گیا حملوں سے اسنے سینکڑوں اشرار کو زخمی
گیا شمشیر سے اگ فوجِ ناہنجار کو زخمی؛

ہزاروں کر دیئے زخمی - ہزاروں قتل کر ڈالے
وہ دہشت تھی کہ سب کو پڑ گئے تھے جان کے لالے

حضرت عبداللہ ابن علی علیہ السلام کی شہادت

علی کا لال - عباسِ دلاور کا سگا بھائی
چلا میدانِ کارزار کو با شان و رعنائی

بہت سے کوفیوں کو مار کر تیغِ شجاعت سے
ہوا وہ سرخرو - دونو جہاں میں حقِ خدمت سے

حضرت جعفر الاکبر ابن علی علیہ السلام کی شہادت

جنابِ جعفر الاکبر نے لی جب تیغ خون افشاں
کیا میدان کو رنگین - بن کر رستم داستاں

حضرت عثمان ابن علی علیہ السلام کی شہادت

کیا خولی نے حملہ حضرتِ عثمانِ یاور پر
قضا شاہیں صفت منڈلا گئی معصوم کے سر پر

حضرت محمد الاصغر ابن علی علیہ السلام کی شہادت

اگرچہ نام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیں اصغر
شہادت پا کے لیکن پا گئے وہ درجۂ اکبر

حضرت عون ابن علی علیہ السلام کی شہادت

جناب عون آئے مردِ میداں بن کے میداں میں
دکھائے جسقدر جوہر تھے انکی تیغ عریاں میں

بالآخر آپ نے پائی شہادت دشتِ ویراں میں
بالآخر جا بسے طائرِ صفت گلزارِ رضواں میں

حضرتِ عباس علیہ السلام

جنابِ حضرتِ عباس وہ قمرِ بنی ہاشم
کہ جنکے حسنِ نور افشاں سے تھی شمعِ حرم قائم

جمال و حسن ان کا ساری دنیا سے نرالا تھا
خدا نے ان کو گویا نور کے سانچے میں ڈھالا تھا

قد و قامت میں وہ غیرت دہِ سروِ گلستاں تھے
خرام ناز میں چشمک زنِ طاؤسِ بتاں تھے

شجاعت وہ کہ جس سے شیر کا زہرا لرزتا تھا
وہ ہیبت تھی کہ جس سے کوہ کا سینہ دھڑکتا تھا

رواں تھا موجِ دریا بنکے خونِ حیدری تن میں
دکھاتے تھے فنونِ جنگ صفدر کیطرح رن میں

رسولِ پاک کو جیسے یداللہ سے محبت تھی
سخی شبیر کو عباس سے ویسی ہی الفت تھی

کلیم اللہ کے نزدیک جو ہاروں کی عزت تھی
نگاہِ شاہ میں عباس کی وہ قدر و قیمت تھی

ادھر عباس تھے اپنی وفاداری میں لاثانی
اُدھر شبیر تھے شفقت میں دلداری میں لاثانی

اگرچہ حضرتِ عباس تھے شبیر کے بھائی
مگر کرتے رہے تا عمر خدّامی و سقّائی

حضرتِ عباس کی دوسری سقائی

علمدارِ حسین اب جا رہے ہیں بہرِ سقّائی
سلامی کے لئے جھکتا ہے فرقِ چرخِ مینائی

علم ہاتھوں میں ہے دکھلا رہے ہیں شانِ اسلامی
نمایاں مردِ شیر افگن سے ہے ایمانِ اسلامی

ہزاروں کیوں نہ ہوں دشمن نظر میں بچ نہیں سکتے
چڑھیں گر تیغ کے منہ پر تو ہرگز بچ نہیں سکتے

کنارِ آب پر فوجیں کھڑی ہیں پہرہ داروں کی
جہاں دیکھو وہیں موجود ہے صف نابکاروں کی

نگہ جس سمت جاتی ہے علم تلوار ہے گویا
صفِ فوجِ عدو اک آہنی دیوار ہے گویا

جو دیکھا حضرتِ عباس کو فوجِ ستمگر نے
کہ مشکیزہ لئے آتے ہیں دریا کی طرف بھرنے

ہزاروں پل پڑے کرتے ہوئے اظہارِ پامردی
عیاں کرتے ہوئے تلوار سے جذباتِ بیدردی

مگر عباس ہرگز ان کو خاطر میں نہ لاتے تھے
وہ اپنی تیغِ جوہر دار کے جوہر دکھاتے تھے

مثالِ برقِ خنداں ساحلِ دریا پہ آ ٹھیرے
عدو کے حق میں بنکر صورتِ پیکِ قضا ٹھیرے

دلیرانہ وہ اترے مشک لے کر آبِ دریا میں
کہاں لوگوں میں ہمت آن کر اس شیر کو تھامیں

رجز پڑھ کر کہا عباس نے افرادِ دشمن سے
ٹھہر جاؤ بھگائے دیتا ہوں اک ایک کو رن سے

تمہارے واسطے آمادۂ پیکار ہیں گویا
تمہارا خوں بہانے کے لئے تلوار ہیں گویا

رجز

تم اس کج خلق انسانو! بھلا یہ کیا سمجھتے ہو
ہمارے قتل کو آساں سا بازیچہ سمجھتے ہو

نکالینگے تمہاری گردنوں سے خون کی دھاریں
ہمیں ہیں بسکہ نسلِ ہاشمی کی تیز تلواریں

رجز سنکر سپاہِ شام غصّے میں بھڑک اُٹھی
عدو کی فوج بجلی کی طرح ہر سو چمک اُٹھی

یکایک کر دیا عبّاس پر حملہ شریروں نے
مگر میداں میں دیکھا اور ہی نقشہ شریروں نے

گرے جاتے تھے منہ کے بل بہادر کی شجاعت سے
مثالِ بید لرزاں تھے جواں ہمت کی ہیبت سے

پچھاڑا ایک ہی ہلّے میں نامی پہلوانوں کو
سلایا گرم ریتی پر بہادر نوجوانوں کو

مارد اور حضرتِ عبّاس کی جنگ

شجاعت دیکھ کر عبّاس کی مارد پکار اُٹھا
تماشائی جگہ سے اپنی ہو کر بے قرار اُٹھا

کہا میں خود اکیلا اس جواں ہمت سے لڑتا ہوں
تمہیں اندازہ ہو جائیگا کس حکمت سے لڑتا ہوں

ابھی سر کاٹ کر لاتا ہوں میں شمشیرِ بُرّاں سے
مقابل تو ذرا ہونے دو مجھکو طفلِ ناداں سے

زرہ پہنے ہوئے رکھے ہوئے وہ خودِ فولادی
بڑھا آگے کو پیچھے چھوڑ کر سب فوجِ امدادی

بہت مغرور تھا۔ اپنی توانائی و طاقت پر
مثالِ رستمِ دستاں تھا نازاں اپنی ہمت پر

کہا عبّاس سے لڑکے ذرا ہشیار ہو جاؤ
میں مارد پہلواں ہوں دیکھنا تیّار ہو جاؤ

نہیں امّید تو اور میرے ہاتھوں سے نکل جائے
بہت دشوار ہے مجھ سے تو کوئی چال چل جائے

خدا نے نرمی رکھّی ہی نہیں ہے میری خلقت میں
شقاوت اور بے رحمی ملی ہے مجھکو فطرت میں

مگر تیری جوانی دیکھ کر کچھ رحم آتا ہے
ترا حُسن و تجمّل مجھکو رہ رہ کر ستاتا ہے

ترس کھا اپنی حالت پر تو میداں چھوڑ دے جلدی
تو اپنی پھینک دے تلوار۔ نیزہ توڑ دے جلدی

وگرنہ میرے ہاتھوں تیرا بچنا سخت مشکل ہے
مرے ہر وار میں تیغِ اجل کا وار شامل ہے

کہا عبّاس نے او دشمنِ دینِ خداوندی
تمہارے واسطے اچھی ہے بیرحمی کی پابندی

مگر مشکل ہے تُو اور حیدرِ کرار کے مقابل ہو
تو اک قطرہ صفت ہو کر سمندر کے مقابل ہو

ترا للکارنا کچھ مجھ پہ دہشت لا نہیں سکتا
ترے اس چیخنے سے رعب دل پر چھا نہیں سکتا

جوانمردی کا شیوہ ہے کہ وہ تلوار سے کھیلے
جوانی نام ہے اس کا کہ پیہم آفتیں جھیلے

مصیبت میں رہے صابر کرے شکرِ خدا دائم
سہارا ہو خدا کا اور توکّل پر رہے قائم

ہوں جس میں اسقدر اوصاف ہرگز ڈر نہیں سکتا
کوئی دشمن ہو لیکن بال بیکا کر نہیں سکتا

یہ سنکر گفتگو مارد بڑھا عبّاس پر جھپٹا
گرالوں گا میں مردِ شیر کو اس آس پر جھپٹا

عقابِ پرشکستہ کی طرح سے پیچ کھاتا تھا
مگر شہبازِ ہمت اس کے قابو میں نہ آتا تھا

کیا نیزے کا اس نے وار لیکن بے اثر نکلا
کیا اک حملۂ خونخوار لیکن بے اثر نکلا

جنابِ حضرتِ عباس نے وہ زور دکھلائے
کہ مارد کو بوقتِ دوپہر تارے نظر آئے

گیا وہ وار نیزے کا جو تھا امکان سے باہر
لگا اِس کان پر تو ہو گیا اُس کان سے باہر

تڑپ کر جان دی مردود نے بے آبرو ہو کر
بہا جاتا تھا۔ خوں ریتی پہ اس کا آبِ جُو ہو کر

حضرت عبّاس کی شہادت

کمانداروں نے جب دیکھا کہ مارد بھی گیا مارا
نگاہوں میں ہر اک کے پھر گیا آفت کا نظّارا

لگے ہونے ہر اک جانب سے پیہم وار تیروں کے
پھنسے تھے آن کر عباس نرغے میں شریروں کے

وہ حالت تھی کہ جیسے شیر کو صیاد بپھرا دیں
یا جیسے آتشِ خاموش کے شعلوں کو بھڑکا دیں

چمکتے تھے شررے تیغ کے یوں نابکاروں میں
کہ جیسے کوندتی پھرتی ہو بجلی کوہساروں میں

جدھر کی سمت کو گھوڑے کی باگیں پھرتی جاتی تھیں
صفیں معدوم تھیں لاشوں پہ لاشیں گرتی جاتی تھیں

خدا غارت کرے نوفل کو جس نے گھات میں آکر
کیا اک بزدلانہ وار عباسِ دلاور پر

کیا بھرپور حملہ بے حیا نے اس بہانے سے
کہ کٹ کر رہ گیا سید کا سیدھا ہاتھ شانے سے

بچا کر مشک کو اک ہاتھ سے وہ لڑتے جاتے تھے
لبِ شمشیر سے ہر بار شعلے جھڑتے جاتے تھے

یکایک پھر وہی مکار جھپٹا بائیں بازو پر
تو دستِ چپ گرا ریتی پہ شانے سے جدا ہو کر

لیا عباس نے دانتوں میں اپنے مشک کا تسمہ
پہنچ جائے خیامِ شاہ تک شاید یہ سرچشمہ

وہ شاید مشک پہنچانے میں آخر کامراں ہو جائیں
وہ شاید سرخروئے بادشاہِ انس و جاں ہو جائیں

مگر اس کامیابی کے رہے ارمان پہلو میں
تڑپتی رہ گئیں سو حسرتیں ہر آن پہلو میں

بس اتنے میں کسی نے اک عمودِ آہنی مارا
کہ تیورا کر زمیں پر آ رہا عباسؑ بیچارا

صدا آئی مرے مولا ذرا امداد کو آؤ
میں فریادی ہوں آقا اب مری فریاد کو آؤ

صدا اسنکر شہنشہ لاشۂ عباس پر آئے
جواں کو دیکھنے لیکن کلیجا تھام کر آئے

ترازو ہو چکے ہیں تیر صدہا جسمِ اطہر میں
ہزاروں زخم ہیں پیدا و پنہاں جسمِ اطہر میں

پڑی ہے مشک اک جانب یہ اسکا حال ہے گویا
کوئی دیکھے تو سمجھے یہ کوئی غربال ہے گویا

وہ دونو ہاتھ جو راہِ خدا میں لڑنے والے تھے
وہ پنجے پیکرِ اغیار میں جو گڑنے والے تھے

وُہ دونو ہاتھ جو مشکل کشا تھے وقتِ مشکل میں
وہ دونو ہاتھ کٹ کر رہ گئے کربل کی منزل میں

کیا شبیر کو اس نوجواں کی موت نے غمگیں
ہوا اس موت پر ہی اختتامِ قصۂ رنگیں

چراغِ زندگی تھا زندگی کا اک سہارا تھا
برادر تو نہ تھا شبیر کی آنکھوں کا تارا تھا

سرہانے لاش کے کی شاہ نے وہ گریہ وزاری
کہ آنکھوں سے شہ والا کے اشکِ خوں ہوئے جاری

یہ کہتے تھے "مرے بھائی رفاقت چھوڑ دی تو نے
مرے زورِ کمر میری کمر تک توڑ دی تو نے"

مری ساری امیدیں تھیں فقط عباس تک باقی
نہیں عباس تو دل میں نہیں کچھ آس تک باقی

حضرت علی اکبر علیہ السلام

علی اکبر جوانِ مہ لقا ہمشکلِ پیغمبر
شجاعانِ عرب کو ناز تھا جن کی شجاعت پر

جمال و حُسن میں وہ وقت کا تھا یُوسفِ ثانی　　تہوّر اور شجاعت میں تھا وہ شیرِ نیستانی
جوانِ پارسا تہذیبِ انسانی میں کامل تھا　　تھیں اسمیں خوبیاں اتنی عدد بھی جنکا قائل تھا
وہ اپنے والدِ مغموم کا غمخوار بیٹا تھا،　　سعادتمند بیٹا۔ بلکہ خدمتگار بیٹا تھا
زمانے بھر میں تھا وہ فاضلِ احکامِ قرآنی　　محدث تھا مفسّر تھا مبصّر تھا وہ لاثانی،
وہ دانائی و رعنائی میں یکتا تھا زمانے سے　　امُورِ دین کو بہتر سمجھتا تھا زمانے سے
مثالِ سرورِ عالم وہ اخلاقِ مجسّم تھا　　عُلومِ ظاہری و باطنی سے خوب محرم تھا
طلاقت سے ہمیشہ رونما تقریرِ احمد تھی　　شبیہِ پاک سے ہر دم عیاں تصویرِ احمد تھی

جنگ کی رخصت

حسینؑ ابنِ علیؑ جب یکّہ و تنہا تھے میداں میں　　بجز اکبر رہا باقی نہ کوئی دشتِ ویراں میں
سلاحِ جنگ پہنائی جواں بیٹے کو سیّد نے　　زرہ بھی لطف فرمائی جواں بیٹے کو سیّد نے
مجاہد کے سرِ اقدس پہ رکھا خودِ فولادی،　　وہ تھا گویا رضا کارِ ستیزہ گاہِ آزادی
کمر بندِ امیر المومنین پھر شاہ نے باندھا،　　"عقاب" تیز رو پر اپنے ہاتھوں آپ بٹھلایا

کہا۔ یارب تجھے ایسا جواں اب نذر کرتا ہوں
زمانہ سے زیادہ جس سے دم الفت کا بھرتا ہوں

یہ کہکر سیّدِ والا نے بیٹے کو کیا رخصت
خدا حافظ کے نعروں میں علی اکبر ہوا رخصت

میدانِ جنگ

عقابِ برق وش پر جب جواں ہو کر سوار آئے
تو مارے خوف کے کفّار کو چکر پہ چکر آئے

چمکتی دیکھکر اس نوجواں کی تیغ کی دھاریں
گریں ڈھالیں یکایک چھٹ گئیں ہاتھوں سے تلواریں

عدو کہتے تھے شاید پھر علیؑ المرتضےٰ آئے
تمامی شامیوں کے واسطے بنکر قضا آئے

وہ ہیبت تھی کہ گویا لرزہ براندام تھا لشکر
نہ تھی لڑنے کی طاقت اک برائے نام تھا لشکر

رجز

کہا اکبر نے او بدکار انسانو سنبھل جاؤ!
وگرنہ چھوڑ دو میداں۔ نکل بھاگو۔ نکل جاؤ

میں فرزندِ حسین ابنِ علی ہوں جانتے ہو گے
شجاعِ ہاشمی ہوں مجھکو تم پہچانتے ہو گے

مری تلوار کی زد میں نہ آؤ دور ہٹ جاؤ
کہیں ایسا نہ ہو تلوار کی تیزی سے کٹ جاؤ

کسی مکّار کو عیّار کو جیتا نہ چھوڑوں گا ؎ جو آئیگا مری زد پر اسے زندہ نہ چھوڑوں گا
یہ مانا میں نے تم لوگوں کی تلواروں سے مرنا ہے تمہارے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش کرنا ہے
دکھانا چاہتا ہوں میں مگر ایمان کی قوّت کہ رکھتی ہے نہاں کیا کیا اثر ایمان کی قوّت
رجز کے بعد گرد و پیش سے حملے لگے ہونے عدو کٹنے لگے تلوار پر جانیں لگے کھونے
جھپٹتا تھا عقابِ برق وش دشمن کی فوجوں پر وہ گویا آپ بھی اسوار تھا بجلی کی موجوں پر
لٹائے جا رہا تھا اسب بھی دشمن کی فوجوں کو ملائے جا رہا تھا خاک میں رہزن کی فوجوں کو
ادھر اکبر کی تیغِ خونفشاں جس دم مچلتی تھی جو پڑتی تھی وہ اس صف پر تو اس صف سے نکلتی تھی
صفِ فوجِ عدو پر جس گھڑی تلوار آتی تھی چباتی تھی کلیجے خوں کے دریا میں نہاتی تھی
سیہ کارانِ فوجِ شام جس دم زد پہ آتے تھے تو بس گرتے ہی آغوشِ اجل میں سوتے جاتے تھے
ہوس بھرتی نہ تھی جب وار کرتے تھے علی اکبر ابھی صدہا امنگیں دل میں رکھتے تھے علی اکبر

اسی عالم میں اُن کا ساتھ چھوڑا آس نے آخر
بوقتِ جنگ بے بس کر دیا تھا پیاس نے آخر

حضرت علی اکبر کی شہادت

غضب ہے تین دن کی پیاس ہے اور گرم موسم ہے
ہجوم ظلم ہے چاروں طرف ہر ایک ظالم ہے

تپش کی دھوپ کی اور جنگ کی ہے گرم بازاری
مصیبت بن گئی ہے سر پہ اسلحے کی گرانباری

بدن سے بہ رہا ہے خون اور زخموں کی کثرت ہے
لہو سے لال ہے ملبوس اور رنگین خلعت ہے

کہا شبیرؑ سے "اے یادگارِ ساقیٔ کوثر"
بہت بے بس ہے مارے تشنگی کے اب ترا اکبرؑ

مرے ابا اگر تھوڑا سا پانی مجھکو مل جائے
"علی اکبرؑ ترا" پھر جنگ کی وہ شان دکھلائے

قیامت تک رہیں اس جنگ کے چرچے زبانوں پر
رہیں یہ تذکرے اکثر زمینوں آسمانوں پر

مگر مجبور ہوں اب پیاس کی شدت نے مارا ہے
غُروب آمادہ گویا اب مری ہستی کا تارا ہے

کہا شبیرؑ نے بیٹا نہایت شاق ہے مجھکو
تو کہتا ہے مدد کو دے نہیں سکتا مدد تجھکو

مقامِ صبر ہے نورِ نظر تُو صبر کرتا جا!
یہ وقتِ صبر ہے لختِ جگر تو صبر کرتا جا

تمہارے جدِّ امجد تم کو وہ ساغر پلائیں گے
کہ جسکے بعد شکوہ پیاس کا لب پر نہ لائینگے

قیامت تک نہ پھر خواہش کروگے آبِ دریا کی — اٹھاؤ گے نہ پھر محشر تلک تکلیف دنیا کی

نصیحت باپ کی سُن کر چلا جنگاہ کی جانب — نکالی تیغ اور پھر جنگ کی جانب ہوا راغب

رجز پڑھتے عدو پر حملہ آور ہوتے جاتے تھے — جو آتا تھا مقابل تیغ اُس پر آزماتے تھے

لگا کر رکھ دیئے ہر ہر قدم پر ڈھیر لاشوں کے — دکھائے وہ ہنر چھکّے چھڑائے بدمعاشوں کے

یہ حالت دیکھ کر فوجِ شقاوت موج گھبرائی — علی اکبر کی خاطر از سرِ نو کی صف آرائی

تنِ تنہا پہ یکدم کر دیئے حملے سنانوں کے — چڑھائے تیر شیطانوں نے چلّے پر کمانوں کے

بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا خنجر کی دھاروں سے — ٹپکنا خون کا کچھ کم نہیں تھا آبشاروں سے

گرا گھوڑے سے یوں شبیر کا فرزند مہ پارا — زمیں پر جیسے گرتا ہے فلک سے ٹوٹ کر تارا

ندا آئی مرے ابّا مبارک ہو یہ قربانی — ہوا ہے اب ترا بیٹا نثارِ دینِ یزدانی

پلایا ہے مجھے شاہِ رسل نے جام کوثر کا — نہیں ہے تشنگی کا خوف اب نہ پیاس کا دھڑکا

بلاتے ہیں تجھے بھی جلد آؤ اے مرے ابّا
اب آ کے خلد کی بستی بساؤ اے مرے ابّا

سنی آوازِ درد انگیز جب مغموم سیّد نے — تو میدانِ بلا کا رخ کیا معصوم سید نے

جواں بیٹے کے لاشے پر حسین ابنِ علی آئے
خدائے دو جہاں دشمن کو بھی یہ دن نہ دکھلائے

علی اکبر کو لے کر نالۂ غمناک کرتے تھے
وہ خاک و خوں بیٹے کے بدن کو پاک کرتے تھے

وہ پیہم لاشۂ اکبر کو سینے سے لگاتے تھے
جوانی نوجواں کی دیکھکر آنسو بہاتے تھے

ابھی حضرت علیؑ اکبر میں تھوڑی جان باقی تھی
کہ رونا دیکھکر سیّد کو آنکھیں کھولدیں اپنی

کہا بابا نہایت خوش ہوں میں اپنی شہادت پر
کہ حورانِ بہشتی منتظر ہیں بابِ جنت پر

کھلے ہیں بابِ رحمت دیکھتا ہوں اپنی آنکھوں سے
چنے ہیں خوانِ نعمت دیکھتا ہوں اپنی آنکھوں سے

مرے بابا مرے آقا مجھے رخصت کہ جاتا ہوں
تری آمد کا مژدہ خلد والوں کو سناتا ہوں

حضرت علی اکبر کا آخری پیغام

مرے ابا۔ اگر دولت سرا میں ہو گذر تیرا
سنانا پردہ داروں کو ذرا پیغام یہ میرا

کریں مت حال اپنا میرے ماتم میں زبوں ہرگز
طمانچوں سے کریں مت اپنے چہرے نیلگوں ہرگز

شہادت

یہ کہتے ہی ہوئے خاموش فوراً پھیر لیں آنکھیں
نہ تھا جینے کا باقی ہوش فوراً پھیر لیں آنکھیں

دل شبیر پر یہ حادثہ ایسا گراں گذرا
ہوئی تاریک دنیا گھٹ گیا آنکھوں کا نظارا
کمر خم کھا گئی جھک کر کلیجا ہو گیا پانی
مگر شاکر رہا تقدیر پہ زہرا کا دل جانی
مصیبت میں وہ صبر و ضبط و استقلال دکھلایا
کہ جملہ انبیائے ماسبق کو اُن پہ رشک آیا

حضرت حسین علیہ السلام کی تنہائی و بیکسی

عزیز و اقربا احباب سب نذر خدا کر کے
کھڑا ہے بینوا میداں میں ترکِ ماسوا کر کے
فقط میداں میں تنہا رہ گیا شاہِ ہدا باقی
نہیں کوئی معاون ہے فقط ذاتِ خدا باقی
اُدھر باطل پرستی کو غرورِ ساز و ساماں ہے
اِدھر حق ہے کہ اپنی بیکسی پر آپ نازاں ہے
اُدھر آمادۂ پیکار ہیں شیطان کی فوجیں
اِدھر ہوتی ہیں سرگرمِ وغا۔ ایمان کی فوجیں
اُدھر فسق و فجور و شرک کی ہنگامہ زائی ہے
اِدھر اُن کے مقابل زہد ہے اور پارسائی ہے
سیاست ہے اُدھر ایمان کو آنکھیں دکھاتی ہے
اِدھر ایمان کی قوت سیاست کو ڈراتی ہے
مقابل میں اُدھر تو اک نمائش گاہِ عشرت ہے
اِدھر فاقہ ہے۔ زورِ تشنگی ہے اور عسرت ہے
یہ ایسی جنگ ہے جو آجتک ہوتے نہیں دیکھی
نہ زیرِ آسماں دیکھی نہ بالائے زمیں دیکھی

استغاثۂ امام علیہ السلام

ہجوم اشقیا کو دیکھ کر حضرت نے فرمایا ۔۔۔ معین و ہمدم و ناصر ہمارا ہے کوئی آیا؟
مصیبت سے نکالے جو کہ اولاد محمدؐ کو ۔۔۔ لعینوں سے بچا لے جو کہ اولادِ محمد کو
کوئی دیندار ہے تو استغاثہ پر نکل آئے ۔۔۔ کرے نصرت ہماری اور صلہ فردوس کا پائے
کریگا جو اعانت آج وہ مقبولِ رب ہوگا ۔۔۔ کنارہ کش یقیناً اس سے مولا کا غضب ہوگا

عابدِ بیمار کا لبیک کہنا

سرِ بستر سنی آواز جب بیمار سیدؐ نے ۔۔۔ تو جھنجھلا کر اٹھا لی ہاتھ میں تلوار سید نے
اگرچہ ضعف و بیماری کا تھا اس پر اثر چھایا ۔۔۔ صدائے استغاثہ سن کے خیمے سے نکل آیا
کہا لبیک یا ابنِ علی یا سبطِ پیغمبر ۔۔۔ ترا بیمارِ غم۔ حاضر۔ حمایت پر۔ اعانت پر
میں سنکر استغاثہ اور رہوں خاموش مشکل ہے ۔۔۔ رگوں میں اٹھ کے تھم جائے لہو کا جوش مشکل ہے
جنابِ سیدِ مظلوم نے بیٹے کو جب دیکھا ۔۔۔ لئے تلوار رخ کرتا ہے میدانِ شہادت کا

کہا شبیر نے۔ بیٹا۔ گذرنا ہی نہیں حد سے
کہیں خالی نہ رہ جائے یہ دنیا آلِ احمد سے

تجھی سے شجرۂ آلِ محمدؐ چلنے والا ہے
ترے فیضان سے شجرِ امامت پھلنے والا ہے

مرے بیٹے ابھی تو نے بہت سے کام کرنے ہیں
بہت سے مرحلے ہیں جو کہ سر انجام کرنے ہیں

ابھی کرنی ہے تو نے مرنے والوں کی عزاداری
اسیروں کی ابھی کرنا پڑیگی تجھکو سرداری

پہننے ہیں ابھی تو طوق بھی زنجیرِ آہن بھی
ابھی تو تُو نے طے کرنے ہیں جنگل دشت اور بن بھی

ابھی تو شام کے بازار میں تشہیر ہونی ہے
بہت کچھ آلِ احمد کی ابھی توقیر ہونی ہے

بنانے ہیں ابھی تُو نے تو پردے پردہ داروں کے
ابھی تو پونچھنے اشک ہیں تُو نے اشکباروں کے

ابھی تُو نے دلاسے دینے ہیں معصوم بچوں کو
ابھی دینے ہیں پردے جابجا معصوم بچوں کو

ابھی بیواؤں کی آہوں کے نشتر دل پہ لینے ہیں
ترے ذمّے بہت سے قرض ہیں جو تُو نے دینے ہیں

مرے بچّے ابھی تُو صبر کر اور کام کرتا جا
نہ دے تکلیف اپنے آپ کو آرام کرتا جا

سکینۂ معصوم اور حسین علیہ السلام کی گفتگو

امامِ بے نوا۔ جاتے ہیں میدانِ شہادت کو — اور اہلِ بیت آتے ہیں شہنشہ کی زیارت کو

سکینہ دخترِ شاہ مدینہ سامنے آکر — لگی کہنے۔ کدھر جانے لگے ہو۔ سبطِ پیغمبر

ہمیں کس کے بھروسہ پر چلے ہو چھوڑ کر بابا — چلے ہو کس لئے ہم سب سے رشتے توڑ کر بابا

پڑی ہے آن کر اک بحرِ طوفاں کار میں کشتی — چلے ہو چھوڑ کر اے ناخدا منجدھار میں کشتی

لبوں پر آہ تھی اور اشکِ خوں آنکھونمیں بھر لایا — جنابِ شاہ نے حسرت بھرے لہجے میں فرمایا

سکینہ اے مری آنکھونکی ٹھنڈک کیا کہوں تجھے — عدو کرتے ہیں کیا کیا اب سلوکِ ناروا مجھ سے

مری نورِ نظر کیونکر نہ ہوں میں موت پر راضی — نہیں اس عالمِ غربت میں کوئی ہم نوا باقی

مددگار و معاون سو چکے ہیں دشتِ غربت میں — سب اپنی اپنی جانیں کھو چکے ہیں دشتِ غربت میں

اب انکے بعد دنیا میں مجھے دشوار ہے جینا — نہیں عباسؑ سے جانباز تو بیکار ہے جینا

مری بیٹی! کرو ہر حال میں صبر و شکیبائی — رہو خاموش اور کھولو نہ تم لب ہائے گویائی

تمہیں کرنا نہیں شکوہ کبھی اپنے مقدر کا — ادا کرنا ہے ہر دم شکر اپنے ربِ اکبر کا

یقیں رکھو کہ دنیا بے بقا ہے اور فانی ہے
اور اس کی جسقدر مخلوق ہے وہ آنی جانی ہے

حیاتِ اُخروی کو ہے فقط رنگِ بقا حاصل
علاوہ اسکے جو کچھ ہے وہ بے معنی ولا حاصل

سکینہ اے مری لختِ جگر مت رو مرے غم میں
نہ کر تو آپ کو اتنا پریشاں میرے ماتم میں

میں جیتا ہوں ابھی ہے جسم میں جانِ حزیں باقی
مری روح رواں میں ہوں ابھی اندوہگیں باقی

ابھی اچھا نہیں ہے۔ اپنا منہ اشکوں سے دھو لینا
میں مرجاؤں تو میری لاش پر جی بھر کے رو لینا

مگر یہ یاد رکھنا نالہ و فریاد مت کرنا
تحمّل اور صبر و ضبط پر بیداد مت کرنا

مرے غم میں نہ کرنا چاک تم اپنے گریباں کو
نہ کرنا خاک آلودہ کبھی زلفِ پریشاں کو

کرو تم نوحہ خوانی تو فقط اتنا بیاں کرنا
"بہت افسوس ہے دریا کنارے تشنہ لب مرنا"

بہت افسوس ہے اکبر تری اٹھتی جوانی کا
بہت افسوس ہے قاسم تری تشنہ دہانی کا

بہت افسوس ہے مارے گئے انصار سیّد کے
زمینِ کربلا میں کٹ گئے غمخوار سیّد کے

سکینہ اے مری ننھی سی جاں یہ غیر ممکن ہے
رہو دنیا میں ہر دم شادماں یہ غیر ممکن ہے

مرے سایہ میں تو زندہ رہے دائم ہے ناممکن
مرا سایہ رہے سر پر ترے قائم ہے ناممکن

یقیناً ایک دن آنا ہے پیغامِ فنا سب کو ۔ سُلا دیگی کسی دن خاک کے نیچے قضا سب کو
سکینہ جب سفینہ آچکے میرا ابتلا ہی پر ۔ تو کرنا صبر اے نورِ نظر حکمِ الٰہی پر
کہ ہم کو اقتدا کرنی ہے اپنے جدِّ امجد کی ۔ علیؑ کی۔ فاطمہؑ کی اور حسنؑ مسموم سیّد کی

اہلبیت علیہم السلام سے جنابِ امام کی رخصت

امامِ دو جہاں محصور ہیں دشمن کی فوجوں میں ۔ کہ جیسے کوئی پھنس جائے تلاطم خیز موجوں میں
ہزاروں داغ ہیں دل پر ہزاروں تیر سینے میں ۔ ہزاروں آرزوئیں ہو گئیں نخچیر سینے میں
کئی دن سے مجاہد دشت میں بے آب و دانہ ہے ۔ کوئی حامی نہیں ہے بے سہارا بے ٹھکانا ہے
مگر ان سختیوں میں بھی شہِ مظلوم و بیچارا ۔ کھڑا ہے مستعد مرنے پہ اور ہمت نہیں ہارا
ارادے ہیں اٹل اور شانِ استقلال پیدا ہے ۔ ہر اک طرزِ عمل سے رنگِ خودداری ہویدا ہے
وہ خود آزاد ہے آزادیٔ ملت کا حامی ہے ۔ پرستارِ شریعت مذہبِ فطرت کا حامی ہے
ضمیر آزاد ہے اور رائے بھی آزاد رکھتا ہے ۔ نڈر ہے بے دھڑک ہے اور حق گوئی میں یکتا ہے
اُسے سرمایہ داری اپنے ڈھب پر لا نہیں سکتی ۔ حکومت کی سیاست اسکے دل پر چھا نہیں سکتی

سلاحِ جنگ کا پہننا

کہا زینب سے سید نے کہ اب بیکار ہے جینا
بہن لادے مجھے اب تو کوئی ملبوسِ پارینہ

نہ ہو ایسی کوئی پوشاک جس پر آنکھ للچائے
مجھے ڈر ہے کہیں لاشہ مرا عریاں نہ رہ جائے

بہن لائی شہنشاہِ زمانہ کے لئے خلعت
جو تھا شاید کبھی آدم صفی اللہ کی زینت

اسے پھر شاہ نے کتنی جگہ سے چاک فرمایا
کہیں پھر جاکے یہ ملبوسِ پارینہ پسند آیا

رکھی سر پر شہ کونین کی دستار سید نے
زرہ پہنی علی کی۔ اور لی تلوار سید نے

مجاہد ولولوں کے ساتھ میداں میں اتر آیا
ہزاروں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر آیا

وہ اس انداز سے میدانِ حرب و ضرب میں آئے
کہ جیسے فرض سے اپنے کوئی آزاد ہو جائے

شہادت حضرت علی اصغر علیہ السلام

خیامِ شاہ میں برپا ہوا ہنگامۂ ماتم
جدائی کی گھڑی آئی اٹھا ہنگامۂ ماتم

سرِ عرشِ بریں جاتی ہیں آہیں پردہ داروں کی
لگی ہیں آسمانوں پر نگاہیں پردہ داروں کی

کوئی روتی کھڑی ہے لگ کے خیموں کی قناتوں سے
کوئی محوِ بکا ہے ڈھانپ کر چہرے کو ہاتھوں سے

کسی نے سیدِ والا کا دامن تھام رکھا ہے
کسی نے ذوالجناحِ ہمنشیں کا پائے توسن تھام رکھا ہے

مجاہد صبر کی تلقین میں کچھ کہتے جاتے ہیں
اور اک اک آنکھ سے آنسو کے دریا بہتے آتے جاتے ہیں

بس اتنے میں خیال آیا کہ اصغر کو نہیں دیکھا
خدا معلوم ہے کس حال میں لختِ جگر میرا

ادھر اصغر کا یہ عالم کہ ہے بیہوش جھولے میں
پڑا ہے جاں بلب تشنہ دہن خاموش جھولے میں

وہ حالت ہے کہ بیکس باپ سے دیکھی نہیں جاتی
وہ صورت ہے کہ بے بس باپ سے دیکھی نہیں جاتی

لیا بچے کو اور فوجِ مخالف میں کھڑے ہو کر
کہا "اے موجدِ لوح و قلم اے خالقِ اکبر"

مرے گنجِ گرانمایہ میں جتنے لعل و گوہر تھے
چلا میں ایک سب جیسے تھے تو قیمت میں برابر تھے

وہ سب کے سب ترے رستے میں قرباں کر دیئے میں نے
پریشاں کر کے خاک و خوں میں غلطاں کر دیئے میں نے

بجز اصغر خزانے میں نہیں کوئی گہر باقی
میں کرنا چاہتا ہوں تجھ پہ قربان اے خدا وہ بھی

کہا پھر سیدِ مظلوم نے دشمن کے لشکر سے
"توقع گو نہیں مجھکو گروہِ فتنہ پرور سے

مگر اے فوجِ ناہنجار کے ظالم سیہ کارو!
اگر تم سن سکو تو بات کرتا ہوں اے غدارو

مجھے معصوم کہنے میں تو پڑتے ہو خسارے میں
بتاؤ اب ہے کیا فتوےٰ علی اصغر کے بارے میں

مجھے تو تم نے ہے اپنے گنہگاروں میں گردانا
ہے اس معصوم بچّے کی خطا کیا کیا جرمانہ

لبے تو بوند بھر پانی پلادو اے ستمگارو
قریب المرگ ہے اصغر بچالو اے ستمگارو

ابھی یہ گفتگو تھی حرملہ نے تیر کو جوڑا
نشانہ باندھ کر معصوم کے حلقوم پر چھوڑا

لگا ٹن سے تو منکا ڈھل گیا معصوم بچّے کا
ہدف پر ایسا بیٹھا چھد گیا حلقوم بچّے کا

تڑپ کر جان دی معصوم نے سیّد کے ہاتھوں پر
اور آنکھیں مونڈ لیں مظلوم نے سیّد کے ہاتھوں پر

جنابِ سیّدِ صابر نے جب یہ ماجرا دیکھا
لیا چلّو میں خون بے گنہ سوئے فلک پھینکا

کہا یا رب تو شاہد ہے ستم جو جو گذرتے ہیں
فقط تیری رضا کے واسطے ہم صبر کرتے ہیں

تری خاطر سے یہ جملہ شدائد ہم پر آساں ہیں
کہ ہم شام و سحر تیری رضامندی کے جویاں ہیں

خداوندا! ترے نزدیک کیا یہ تھوڑا ماتم ہے
مرے بچے کا خون کیا ناقۂ صالح سے بھی کم ہے

نہیں کرتے اگر نصرت تو قربانی کا پھل دیجیو
قیامت میں ہمیں اس صبر کا نعم البدل دیجیو

پھر اسکے بعد لاشہ رکھ دیا معصوم کا رن میں
جنازہ سیّدِ مظلوم نے تنہا پڑھا رن میں

نکالی سیف کھودی قبر اس معصوم بچے کی
بنائی آخری آرام گہ مظلوم بچے کی

ہوئے اسوار پھر دُلدُل پہ وہ نامِ خدا لے کر | بڑھے فوجوں کی جانب ذوالفقارِ مرتضےٰ لیکر

برابر میں کھڑے ہو کر رجز پڑھنے لگے غازی | عدو کو جان کر صیدِ زبوں بڑھنے لگے غازی

لگے کہنے کہ میں چشم و چراغِ آلِ ہاشم ہوں | جو مقصد لے کے آیا تھا اسی مقصد پہ قائم ہوں

مری ماں فاطمہ ہے اور ابی طالب کا پوتا ہوں | نواسہ ہوں رسول اللہ کا حیدر کا بیٹا ہوں

بھتیجا ہوں جنابِ جعفرِ طیّار کا لوگو | کہ جو فردوس میں پرواز کرتے ہیں سدا لوگو

تمہیں انصاف سے کہدو کہ ہم نازاں نہ ہوں کیونکر | کتاب اللہ اُتری ہے ہمارے جدِّ امجد پر

ہماری برکتوں ہی سے نجاتِ اہلِ عالم ہے | ہماری مہربانی سے حیاتِ اہلِ عالم ہے

ہماری ہی محبت باعثِ تحصیلِ جنت ہے | یقیناً جنتی ہے وہ کہ جسکو ہم سے الفت ہے

مشیّت جب ہوئی آمادہ اپنے لطفِ پیہم پر | ہماری ہی محبت کردی واجب اہلِ عالم پر

قیامت میں وہی طوبےٰ کے تلے آرام پائینگے | مزاروں پر ہماری جو زیارت کرنے آئینگے

اے میرے جدِّ امجد کو پیمبر ماننے والو | اے مجھکو اپنے ہادی کا نواسہ جاننے والو

یہ سچ جانو کبھی بھی جھوٹ تک بولا نہیں ہمنے | نہیں کی آجتک وعدہ خلافی بھی کہیں ہم نے

کسی مومن کو بھی ہم نے نہیں ہے رنج پہنچایا | نہیں ہے آجتک ہم نے کسی کو غم میں تڑپایا

نہیں کی جان کر کوئی نماز اب تک قضا ہم نے
کئے اللہ کے سارے فرائض تک ادا ہم نے

ہمیں پھر کس گنہ پر قتل کرتے ہو۔ ارے لوگو
ہمارے خون میں کیوں ہاتھ بھرتے ہو ارے لوگو

شامیوں کی خاموشی

بیان کرتے ہوئے اپنے فضائل سید والا
ہوا خاموش تھوڑی دیر کو امت کا رکھوالا

کہ شاید شامیوں کی سمت سے کوئی جواب آئے
کوئی ایماں کا طالب بر سرِ راہِ صواب آئے

مگر سب ہو گئے خاموش کچھ کہنے نہیں پائے
مئے غفلت میں تھے مدہوش کچھ کہنے نہیں پائے

جنابِ شاہ نے جب شامیوں کو چپ کھڑا دیکھا
اُٹھائے ہاتھ اور شکر خداوندی بجا لایا

کہا صد شکر ہے حجت جو باقی تھی ادا کر دی
مرے ذمے جو خدمت تھی ادا بہرِ خدا کر دی

دعا مانگی خداوندا مری اب تو اعانت کر
مرے اس بازوئے کمزور میں طاقت عنایت کر

نہایت ہی مصیبت میں پڑا ہوں کر مدد میری
ہزاروں کے مقابل میں کھڑا ہوں کر مدد میری

مری ہر اک تمنائے دلی کا منتہا تو ہے
تجھی سے مانگتا ہوں میں مدد میرا خدا تو ہے

دعا سے ہو کے فارغ قتلِ اعدا پر کمر باندھی
کمر باندھی بہت مضبوط باندھی کھینچکر باندھی

جو دشمن سامنے آتا تھا ہو سکتا نہ تھا جانبر ۔ کبوتر کی طرح سے لوٹتا تھا فرشِ خاکی پر

علے الترتیب لڑنے ایک آیا دوسرا آیا ۔ علے الترتیب سب کو شاہ نے دوزخ میں پہنچایا

ہوئیں ناکام اپنی کوششوں میں شام کی فوجیں ۔ ہزاروں کٹ گئے تھے رہ گئیں تھیں نام کی فوجیں

عمر نے جب یہ دیکھا حال بے بس ہو کے چلّایا ۔ گری تلوار چھوٹی ڈھال بے بس ہو کے چلّایا

بہت افسوس ہے لوگو تمہاری اس ہزیمت پر ۔ تاسف ہے مجھے بیحد تمہاری اس شجاعت پر

نہیں معلوم شاید کس سے تم دوچار ہوتے ہو ۔ یہ فرزند علیؑ ہے جس سے تم دوچار ہوتے ہو

علیؑ وہ شخص تھا جس نے شجاعوں کو پچھاڑا تھا ۔ بیک جنبش بیک طاقت درِ خیبر اکھاڑا تھا

یہ کہکر کہدیا یکبارگی حملہ کرو لوگو ۔ کرو شبیر کو تم قتل یا خود کٹ مرو لوگو

یہ سنتے ہی چلیں فوجیں چڑھیں فوجیں بڑھیں فوجیں ۔ چمک اٹھی تھیں تلواریں کہ جیسے برق کی موجیں

خیمۂ مظلوم پر بنکر گھٹائیں چھا گئیں فوجیں ۔ تنِ واحد سے لڑنے کیلئے سب آ گئیں فوجیں

فقط مظلوم کی خاطر کئی فوجی رسالے ہیں ۔ ہزاروں تیر ہیں نیزے ہیں تلواریں ہیں بھالے ہیں

ہجومِ اشقیا میں ہے مگر یہ حال سیّد کا ۔ اٹل ہے کوہ کی مانند استقلال سیّد کا

مخاطب کر کے بے دینوں کو فرمانے لگے سیّد ۔ جوانمردی و استقلال دکھلانے لگے سیّد

قوم سے خطاب

بہت افسوس ہے اے قوم تیری کج ادائی پر
تڑپ جاتا ہے دل تیرے خیالِ بیوفائی پر

کیا تو نے علیِ المرتضےٰ کو قتل کوفے میں
حسن بھائی کو تو نے زہر دی ناحق مدینے میں

ارادہ کر لیا تو نے مجھے بھی قتل کرنے کا
زبانِ تیر سے دینے لگی پیغام مرنے کا

نہ ہے خوفِ خدا تجھکو نہ شرم و عار ہے تجھکو
فقط دو بد نہادوں کی خوشی درکار ہے تجھکو

عبید اللہ کو ممنون کرنا چاہتی ہے تو
عمر بن سعد پر احسان دھرنا چاہتی ہے تو

نہیں معلوم شاید تجھکو ہوں میں وہ کھری چاندی
کھری چاندی ہوں وہ سونے سے جو ملکر بنے چاندی

مرے جد کے برابر جد کسی کا ہو نہیں سکتا
علیؑ ہو باپ جد احمدؐ کسی کا ہو نہیں سکتا

قیامت ہے کہ کرتی ہے ستم تو ان کے بچوں پر
بڑھی ہے کھینچکر تیغ دو دم تو اُن کے بچوں پر

مرے نانے کی امت ہو کے اتنا قہر ڈھاتی ہے
اور اُن کی ذرّیت پر ظلم کے خنجر چلاتی ہے

رسول اللہ کی عزت سے ایسی بے خبر ہے تو
خدا اب سوچ تو دل میں کہ کیسی بے خبر ہے تو

یہ کہکر حضرتِ والا نے گھوڑے کو دیا کاوا ۔ نکالی تیغ اور فوجِ عدو پر کر دیا دھاوا

شجاعت دیکھ کر فوجِ عدو حیران و ششدر تھی ۔ بدن پر ایک لرزہ تھا سراسیمہ و مضطر تھی

سروں پر برق بنکر کوندتی شمشیر پھرتی تھی ۔ نگاہوں میں عدو کی ۔ موت کی تصویر پھرتی تھی

صفیں اکھڑی ہوئی تھیں منتشر تھیں شام کی فوجیں ۔ قضا آتی ہے کیونکر منتظر تھیں شام کی فوجیں

تماشا تھا عجب چاروں طرف لاشے تڑپتے تھے ۔ صفیں تھیں جس جگہ واں صف بصف لاشے تڑپتے تھے

پڑیں تھیں خاک پر بیکار ہو کر ساری شمشیریں ۔ یکایک مل گئیں تھیں خاک میں دشمن کی تدبیریں

شہِ تشنہ دہن کی تیغ نے کی ایسی خونباری ۔ لہو کے ہو گئے سیلاب ریگستان میں جاری

عجب اعجاز تھا اک تیغ میں تھیں اسقدر تیغیں ۔ نظر آتی تھیں دشمن کو ادھر تیغیں ۔ اُدھر تیغیں

شہِ مظلوم کی تلوار اس تیزی پہ مائل تھی ۔ حفاظت کیلئے گویا کہ اک دیوار حائل تھی

وہ ہیبت چھا گئی ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے گویا ۔ تھے جتنے گھوڑ چڑھے زینوں سے لٹک کر جُڑ گئے گویا

پیادے جاں بچا کر چھپ گئے گھوڑوں کے سینوں میں ۔ جو تھے اسوار وہ دبکے ہوئے بیٹھے تھے زینوں میں

شہِ غازی کا دُلدُل بھی تگاپوئی میں یکتا تھا ۔ ہوا کیا ہے وہ بجلی کے برابر دوڑ سکتا تھا

جہاں آمادۂ پیکار وہ دشمن کو پاتا تھا ۔ اُسے پامال کرنے برقِ سوزاں بنکے جاتا تھا

کئی زخمی کئے اُس نے کئی پامال کر ڈالے
ہزاروں جسم بس ٹاپوں سے اپنے لال کر ڈالے

جو دیکھا دشمنوں نے اب نہیں صورت رہائی کی
شہِ تنہا پہ مل کر بدنہادوں نے چڑھائی کی

چڑھائے تیر اٹھائے گرز لیں ہاتھوں میں تلواریں
کھڑی کر دیں شہِ غازی کے گرداگرد دیواریں

خیامِ شاہ کو بھی کر لیا محصور فوجوں سے
ہوا ناموسِ شاہِ کربلا محصور فوجوں سے

مگر شبیر کی غیرت گوارا کر نہ سکتی تھی
گھری ہو آل۔ آنکھ اسکا نظارہ کر نہ سکتی تھی

کہا گھبرا کے سید نے کہ او کوفی مسلمانو
یہ ناموسِ محمدؐ ہے خدارا اس کو پہچانو

تمہارا ہے اگر دعوےٰ کہ تم نسلِ عرب سے ہو
تعلق رکھنے والے تم کسی اچھے نسب سے ہو

حیا سے کام لو جاؤ نہ تم نزدیک خیموں کے
لڑو مجھ سے مگر آؤ نہ تم نزدیک خیموں کے

یہ ایسی بات تھی کہ شمر بھی شرما گیا آخر
اشارا کر کے ساری فوج کو بلوا لیا آخر

شہِ مظلوم دریائے فرات پر

ہٹیں خیموں سے فوجیں ہٹ کے آئیں شاہ کے سر پر
ہزاروں آفتیں گن گن کے ڈھائیں شاہ کے سر پر

نہ آئی راہ پر بدلی ہوئی نیت شریروں کی
تنِ واحد پہ کر دی ایکدم بوچھاڑ تیروں کی

گئے بیرحم لوگوں نے یکایک وار نیزوں کے
بڑے مشّاق تھے خونخوار و ناہنجار نیزوں کے

سرِ اقدس پہ بجلی کی طرح گرتی تھیں تلواریں
اجل کے روپ میں شاہیں صفت پھرتی تھیں تلواریں

جو تھے کچھ فاصلے پر لوگ تھی یہ ان کی مہمانی
کھڑے ہو کر وہیں سے کر رہے تھے سنگ بارانی

مگر وہ حوصلہ تھا۔ حوصلہ ہرگز نہیں چھوڑا
اٹھائی باگ اور میدان میں دوڑا دیا گھوڑا

صفوں کو کاٹ کر رستہ بنایا راہِ دریا کا
اُڑایا اپنی طاقت سے ہر اک شہ زور کا خاکا

ہوا میں تیرتے وہ ساحلِ دریا پہ آ پہنچے
دکھا کر اپنی طاقت کا کرشمہ بر ملا پہنچے

بہادر نے وہیں دریا میں ڈالا اپنے گھوڑے کو
پلایا چاہتا تھا آبِ دریا اپنے گھوڑے کو

کہا اے توسنِ تشنہ دہن موجود ہے پانی
بجھا لے پیاس تاکہ جنگ کی ہو تجھکو آسانی

مگر اسپِ وفا پیشہ نے پینا عار ہی سمجھا
کہ مالک اسکا جبتک پی نہ لے پانی نہیں پینا

اشارا تاڑ کر سیّد نے چلو میں لیا پانی
کہا اب تو بھی پی یہ جان کر میں نے پیا پانی

ابھی چلو میں تھا پانی وہ ہونٹوں تک نہ پہنچا تھا
نشانہ پر یکایک اک خدنگِ جانگزا بیٹھا

ستمگاروں کے ظلمِ ناروا سے گر گیا پانی
اچانک شہ کی امیدوں پہ گویا پھر گیا پانی

پکارا کوئی چلا کر کہ لے پانی کے متلاشی
خبر بھی ہے۔ کہ لٹتا ہے ترا ناموسِ مصطفوی

یہ سنتے ہی نکالا اسب کو پانی کی موجوں سے
چلے خیموں کو وہ لڑتے ہوئے دشمن کی فوجوں سے

تو دیکھا خیمۂ اقدس صحیح سالم سلامت ہے

یہ ساری حیلہ سازی ہے یہ دشمن کی شرارت ہے

شہِ مظلوم جب خیموں میں پہنچے۔ حشر برپا تھا
کوئی محوِ بُکا تھا اور کوئی فریاد کرتا تھا

کوئی دامن سے لپٹا تھا کوئی سر کو پٹکتا تھا
کوئی مظلوم کو حسرت بھری نظروں سے تکتا تھا

چھڑا کر اپنا دامن سیّدِ بیکس نے فرمایا
"تمہارے سر پہ ہو سایہ فگن اللہ کا سایہ"

نہ گھبراؤ بلاؤں سے نہ طوفانِ مصیبت سے
رکھیگا تم کو ربّ دوسرا ہر دم حفاظت سے

وہی ہر حال میں ہوگا معاون دشتِ غربت میں
وُہی دیگا تسلی۔ رنج میں کلفت میں آفت میں

تمہیں پر اپنی ساری نعمتیں وہ عام کردے گا
تمہارے دامنوں کو خُلد کے پھولوں سے بھر دیگا

کرو شکوہ۔ نہ ہونٹوں پر کوئی حرفِ شکایت ہو

کرو مت کام ایسا۔ جو خلافِ شانِ عزت ہو

یہ کہکر سیّدِ والا چلے خیموں سے میداں کو
چلے خیموں سے روتا چھوڑ کر ہر فردِ گریاں کو

ہجومِ اشقیا ہونے لگا بڑھنے لگیں فوجیں
ہر اک جانب سے طوفاں کی طرح چڑھنے لگیں فوجیں

(نوبہار پرنٹنگ پریس ملتان)

ٹھہر کر شاہ نے پھر آخری تقریر فرمائی
مگر فوجِ شقاوت موج لڑنے سے نہ باز آئی

خطبہ

نبی کے خاندان کے ساتھ محوِ جنگ ہو لوگو
بزرگوں کیلئے تم باعثِ صد ننگ ہو لوگو

تمہارے تو سلف طاعت گذارِ ربِ اکبر تھے
ولائے مصطفےٰ میں مست تھے شیدائے حیدر تھے

میں حیران ہوں کہ اُن لوگوں کے تم فرزند کیسے ہو
نہیں غیرت تمہارے دل میں غیرتمند کیسے ہو

بوقتِ نزع حضرت نے وصیّت کی تھی امت سے
ہمیشہ اُنس رکھنا۔ یاد رکھنا میری عترت سے

مگر اُن کی وصیّت کو نہیں خاطر میں تم لائے
ہمارے قتل کرنے کو ہو کمریں باندھ کر آئے

نہیں ڈرتے خدا سے اور نہ ڈرتے ہو قیامت سے
ہوئے جاتے ہو مستغنی محمدؐ کی شفاعت سے

تم اپنے دل میں قتلِ بے گنہ آساں سمجھتے ہو
بہانا خونِ ناحق بازیٔ طفلاں سمجھتے ہو

مگر یہ یاد رکھو۔ خونِ ناحق رنگ لائے گا
تمہیں اک روز آخر خون کے آنسو رلائے گا

جہنم میں دھکیلے گا تمہیں یہ کارِ شیطانی
ملو گے تم کفِ افسوس اور ہو گی پشیمانی

خدائے پاک لیگا تم سے آخر انتقام ایسا
کہ دنیا کر سکے گی تا قیامت پھر نہ کام ایسا

ہوئے خطبے سے جب فارغ تو کھینچی تیغ سیّد نے — دکھایا جنگِ خیبر کا نمونہ سبطِ احمد نے

وہ جرأت تھی وہ ہمّت تھی کسی سے خم نہ کھاتے تھے — وہ ہر ہر ضرب میں صد شانِ پامردی دکھاتے تھے

مگر دشمن کی چونکہ فوج تھی تعداد میں بڑھکر — مہارت تھی اُسے ظلم اور استبداد میں بڑھکر

کیا مجبور سیّد کو کہ وہ محصور ہو جائے ؎ — وہ کھائے تیر اتنے جسمِ نازک چُور ہو جائے

غرض برسائے اتنے تیر انکے جسمِ اطہر پر — کوئی پہلو میں چسپاں ہو گیا تھا اور کوئی سر پر

علاوہ تیر کے پڑتے تھے سو سو وار خنجر کے — اُڑے جاتے تھے پرزے جسم سے فرزندِ حیدر کے

اِدھر زخمِ بدن سے خون کے فوّارے چلتے تھے — اُدھر وہ اپنے خونِ پاک کو چہرے پہ ملتے تھے

وُہ کہتے تھے کہ جب آئیگا دن یعنی قیامت کا — دکھاؤنگا میں نانا کو یہ نقشہ اپنی حالت کا

کہونگا تیری امت نے کیا یہ حال اے نانا — ہوا ہے جس سے سارا جسم خوں سے لال اے نانا

ابھی یہ گفتگو تھی ہو گئی ناطاقتی غالب ؎ — ہوا بیہوش فرزندِ علی ابنِ ابیطالب

زمیں کانپی۔ تزلزل آگیا ایوانِ یزداں میں
سوارِ دوشِ احمد گر پڑا صحرا کے داماں میں

جنابِ زینبِ خاتون نے بھائی کو جب دیکھا — کہ خاک و خوں میں غلطاں پڑا ہے یکّہ و تنہا

نہ لائی تاب بی بی دیکھ کر یہ منظرِ خونی
یکایک دل کی امیدوں کی بستی ہوگئی سونی

کہا اے آسماں تو کیوں زمیں پر گر نہیں پڑتا
زمیں کیوں پھٹ نہیں جاتی تو کیونکر گر نہیں پڑتا

زمیں کے رہنے والوں نے ستم کی انتہا کردی
نظر آتے ہیں اب چاروں طرف سامانِ بیدردی

ہجومِ اشقیا میں گھر گیا تنہا مرا بھائیؑ
پڑا ہے خاک پر لیٹا ہوا تنہا مرا بھائیؑ

ہوا یہ حال ہے مظلوم کا زخموں کی کثرت سے
نہیں اٹھنے کی طاقت اب رہی ضعف و نقاہت سے

کوئی بہرِ خدا نصرت کرے میرے برادر کی
نہیں دل کو زیادہ تاب اس آشوبِ محشر کی

کہاں ہے سعد کا بیٹا عمر اس سے ذرا کہدو
کرے کچھ رحم اس مظلوم پر اس سے ذرا کہدو

جنابِ سیدہؑ نے ایسے کچھ الفاظ فرمائے
جنہیں سنکر عمرؔ بن سعد کے آنسو نکل آئے

حضرت عبداللہ ابن حسن علیہ السلام کی شہادت

جونہی ابن حسن نے شاہ کو گرتے ہوئے دیکھا
زمیں پر آسماں سے ماہ کو گرتے ہوئے دیکھا

اٹھا کر خیمہ کمسن چلا عمّو کی نصرت کو
بڑھائے ننھے ننھے پاؤں میدانِ شہادت کو

قریبِ شاہ تھا کوئی ستمگر۔ اس کو جا ٹوکا
اور اس سفاک کے حملے کو اپنے ہاتھ پر روکا

لگایا سیدؑ مظلوم نے بچے کو سینے سے ؎ کہا یہ موت تو بہتر ہے اس ذلت کے جینے سے

مرے بچے تو صابر ہو نہ کر شکوہ مصیبت کا ؎ سمجھ اسکو تو گویا پیش خیمہ خیر و برکت کا ؎

بس اتنے میں کسی بدکار نے تیرِ جفا چھوڑا

کہ لگتے ہی حسنؑ کے لال نے گودی میں دم توڑا

تڑپتا دیکھکر معصوم کو غش کھا گئے سیدؑ ؎ عدو سمجھے کہ شاید زیست سے تنگ آ گئے سید

دیا یہ حکم فوراً گردو گل شمعِ امامت کو ؎ ملا دو خاک کے ذرّوں میں فرزندِ رسالت کو

معاذ اللہ جو شبیرؑ کی گردن اُڑائے گا ؎ وہ دربارِ یزیدی سے "بڑا انعام" پائے گا

شقی خونخوار نیزے۔ برچھیاں لیکر بڑھے آگے ؎ "بڑا انعام" پانے کی توقع پر بڑھے آگے

ہر اک دلمیں یہ کہتا تھا کہ میں ہی کامراں ہو جاؤں ؎ کروں میں خونِ ناحق اور انعام وصلہ پاؤں

مگر جس وقت شاہِ نیم بسمل کے قریب آئے ؎ وہ حالت تھی کہ جسکو دیکھکر خونخوار گھبرائے

بدن لرز گیا اور چھوٹ گئیں ہاتھوں سے شمشیریں ؎ امیدیں کھو گئیں اور مل گئیں مٹی میں تدبیریں

کسی نے یہ کہا۔ یارو یہ تصویرِ محمدؐ ہے ؎ عیاں رخسارِ نورانی سے تنویرِ محمدؐ ہے

کوئی بولا جلالِ حیدری آنکھوں میں پنہاں ہے ؎ جمالِ یوسفی بھی شکل و صورت سے نمایاں ہے

معاذ اللہ کریں ہم قتل ایسا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ کسی کا اس قدر سنگیں کلیجا ہو نہیں سکتا

یہ حالت دیکھکر شمرِ لعیں کو طیش سا آیا ؏ ۔۔۔ کہا تم کو نہیں اتبک طریقہ جنگ کا آیا

نہیں ہوتا مناسب جنگ میں یوں منفعل ہونا ۔۔۔ مبارزہ کے لئے لازم ہے ہر دم سنگدل ہونا

ہٹو اب سامنے سے سب کی جرأت دیکھ لی میںنے ۔۔۔ لڑائی دیکھ لی میں نے شجاعت دیکھ لی میں نے

بڑے بزدل ہو اک مجبور ہستی سے ڈرتے ہو ۔۔۔ حسینؑ ابنِ علیؑ کے قتل سے پرہیز کرتے ہو

خدا شاہد کہ ساری فوج میں ایسا نہیں کوئی ۔۔۔ چلائے گردنِ شبیر پر تیغا۔ نہیں کوئی ؏

بڑھا۔ خود لے کے شمشیرِ دو پیکر شاہ کی جانب ۔۔۔ چلا بے دین بہرِ قتل۔ قبلہ گاہ کی جانب

قریبِ شاہ پہنچا جس گھڑی وہ ظلم کا بانی ۔۔۔ تو دیکھا یہ کہ سجدے میں جھکا رکھی ہے پیشانی

چڑھا سینے پہ ظالم اور رکھی تلوار گردن پر ۔۔۔ جو کھولی آنکھ سید نے تو دیکھی دھار گردن پر

تو پوچھا کون ہے کیوں قتل کا اقدام کرتا ہے ۔۔۔ کیوں ایسا کام کر کے آپ کو بدنام کرتا ہے

کہا اُسنے تکبر سے کہ میں ہوں شمر ذی الجوشن ۔۔۔ جسے تم جانتے ہو اپنی پیاری جان کا دشمن

یہ سن کر شاہ بولے مجھکو بھی کیا جانتے ہو تم ۔۔۔ میں کس عزت کا مالک ہوں مجھے پہچانتے ہو تم

کہا اُسنے مجھے معلوم ہے سبطِ نبی تم ہو ؏ ۔۔۔ جنابِ فاطمہ کے لال ہو ابنِ علیؑ تم ہو ؏

کہا شبیر نے افسوس ہے پھر تیری حالت پر
تو سب کچھ جانتا ہے کیوں ہے آمادہ شرارت پر

کہا اُس نے کہ میں اس کام کا انعام پاؤنگا
میں ہونگا سرخرو دربار میں اور نام پاؤنگا

کہا یہ شمر سے شبیر نے لطف و مروت سے
ترا انعام کیا افضل ہے احمد کی شفاعت سے

کہا اُس نے کہ ہاں انعام کو افضل سمجھتا ہوں
شفاعت سے زیادہ نام کو افضل سمجھتا ہوں

کہا شبیر نے تجھکو قسم ہے ذاتِ وحدت کی
دکھا دے اک نظر مجھکو تو اپنی کھول کر چھاتی

نگہ ڈالی شہِ مظلوم نے جو اُس کمینے پر
نظر آتے تھے کُتے کی طرح کے داغ سینے پر

بدن کے بال بھی خنزیر کے بالوں سے ملتے تھے
کچھ ایسے سخت تھے موجِ ہوا سے بھی نہ ہلتے تھے

کہا شبیر نے ہاں جدِ امجد ٹھیک کہتے تھے
مرے بابا علیؑ سے یا محمدؐ ٹھیک کہتے تھے

"ترا فرزند ہوگا کربلا میں قتل اے بھائیؑ
کہ جب مظلوم پر ہوگی مکمل بیکسی چھائی"

وہ ہوگا قتل تنہا ہو کے اُس ظالم ستمگر سے
کہ جو مبروص ہوگا ہونگے جسکے بال سوٗر کے

یہ سنکر شمر کو غصہ چڑھا اور اشتعال آیا
گلوئے نازنیں پر کُند خنجر رکھ کے چلّایا

سمجھ لے اب کسی صورت تجھے زندہ نہ چھوڑونگا
اسی خنجر سے رشتہ تیرے جسم و جاں کا توڑونگا

جگا کر فتنۂ محشر قیامت رونما کر کے
ہوا بدبخت راضی فرقِ اقدس کو جدا کر کے

مرثیہ

زمیں کو زلزلہ آیا فلک نے خون برسایا — گھٹا اٹھی جہاں پر چھا گیا ظلمات کا سایہ
فلک پر کوندتی تھیں بجلیاں بادل گرجتے تھے — ہوا کے رہنے والے آشیانوں میں تڑپتے تھے
بلند و پست عالم سے نمایاں غم کی کثرت تھی — سمندر میں تلاطم تھا۔ تو خشکی پر قیامت تھی
الم کی کیفیت چھائی ہوئی دونوں جہانوں پر — ملائک کی صفیں گریہ کناں ساتوں آسمانوں پر
جہاں ماتمکدہ تھا غمکدہ ہر ایک منزل تھی — سراپا سوگ حوروں کی ہر اک جانسوز محفل تھی
خدا کی بارگہ میں انبیا فریاد کرتے تھے — غمِ شبیر میں سب اولیا فریاد کرتے تھے
کلیجا تھام کر خیر الورا جنت میں روتے تھے — حسنؑ۔ زہراؑ علیؑ المرتضےٰ جنت میں روتے تھے
سیہ پوشئ کعبہ بھی اسی ماتم کے باعث تھی — شبِ تاریک بھی تاریک تر اس غم کے باعث تھی
ازل سے آسماں کا اسلئے ملبوس کالا تھا — کہ اس فرشِ زمیں پر خونِ ناحق ہونے والا تھا
سحابِ آسماں روتا چلا آتا تھا اس غم میں — ہوائیں خاک اڑاتی پھرتی تھیں بیکس کے ماتم میں
شفق کا گریۂ خونیں دلیلِ خونِ ناحق تھا — گلوں کا دامنِ رنگیں۔ دلیلِ خونِ ناحق تھا

اسی باعث یہ جذبہ رکھ دیا فطرت نے شبنم میں
کہ وہ رویا کرے ہر روز آکر باغ عالم میں

نہ تھا بلبل کا نالہ۔ نوحۂ شبیر تھا گویا
ہر اک کانٹا چمن کا۔ کوفیوں کا تیر تھا گویا

بتا دوں! گلستاں پر کیوں خزاں کا دور آتا تھا
زمانہ حضرتِ شبیر کی برسی مناتا تھا

یہ سُنکر خون بہیگا۔ کربلا میں اک مسلماں کا
جگر خوں ہو چکا تھا کان میں لعلِ بدخشاں کا

اسی غم کے سبب سے داغ تھا لالے کے سینے میں
کہ خونِ بے گنہ ہوگا محرم کے مہینے میں

گلوں کی چاک دامانی۔ صبا کی خاک افشانی
پتہ دیتی رہیگی مر گیا زہرا کا دلجانی

فرقِ مبارک نیزے پر

غرض خولی نے نیزے پر چڑھایا فرقِ اقدس کو
پئے تشہیر فوجوں میں پھرایا فرقِ اقدس کو

خوشی کے ولولوں میں نعرۂ تکبیر کہتے تھے
"بہت اچھا ہوا جو مر گیا شبیر" کہتے تھے

لبوں پر قہقہہ تھا اور خوشی سے پھولے جاتے تھے
فقط دنیا کی خاطر عاقبت کو بھولے جاتے تھے

نشے میں کامرانی کے بہت مخمور تھے گویا
حسین ابنِ علی کے قتل پر مسرور تھے گویا

جونہی آندھی اُٹھی تاریکیاں چھائیں زمانے پر
خدا کا قہر بنکر آفتیں آئیں زمانے پر

؎ اختر گردیزی

پناہ مانگی خدا کے خوف سے گھبرا گئیں فوجیں — اور اپنے ظالمانہ فعل سے شرما گئیں فوجیں

فضائے آسمانی سے مگر جب چھٹ گئی ظلمت — رُخِ عالم سے تھوڑی دیر کو جب ہٹ گئی ظلمت

لاشِ مطہرؑ کیساتھ بے ادبی

تو پھر بدکار آمادہ ہوئے ظلم و شقاوت پر — کمر باندھی ہر اک نے لاشِ اقدس کی اہانت پر

ردا چھینی کسی نے اور کوئی دستار لے بھاگا — کوئی نعلین۔ کوئی تیغِ جوہر دار لے بھاگا

اُتارے تھا کوئی انگشتری سیّد والا — ہُوا ناکام تو انگلی کو اُس نے کاٹ ہی ڈالا

دکھائی سخت بے ادبی۔ دکھائی سخت بیدردی — غرض ظلم و ستم کی ظالموں نے انتہا کر دی

کیا گھوڑوں سے پھر پامال لاشہ شاہِ والا کا — کہ تھا صد غیرتِ غربال لاشہ شاہِ والا کا

کئے ٹاپوں سے فرزندِ شہِ لولاک کے ٹکڑے — ملا کر رکھدیئے مٹی میں جسمِ پاک کے ٹکڑے

غارتِ خیام

خیامِ آلِ اطہر پر کیا حملہ کمینوں نے — کئے اولادِ احمد پر ستم کوتاہ بینوں نے ؎

نظر آیا جو ساماں سب لئے ہو کر متحدّ چھینا
ستم کے ساتھ چھینا ظلم سے چھینا۔ بقصدّ چھینا

ردائیں چھین لیں غارتگروں نے پردہ داروں کی
تجاوز کرگئی ایذا رسانی نابکاروں کی

اُتارے گوشوارے ظلم سے معصوم بچوں کے
مقیدّ کرکے باندھے ہاتھ بھی مظلوم بچوّں کے

لگا کر آگ مظلوموں کے خیمے بھی جلا ڈالے
جو لہراتے تھے جھنڈے وہ بھی خاکستر بنا ڈالے

کیا آلِ محمدؐ کو مقیدّ بدخصالوں نے
ستم کی انتہا کردی عرب کے رہنے والوں نے

عمر نے جبکہ مستورات کو قیدی بنا ڈالا
تو زینب نے کہا رو کر کہ "اے دنیا کا متوالا"

خدا کیواسطے لے چل ہمیں سیّد کے لاشے پر
ذرا ہم دیکھ لیں کس حال میں ہے سبطِ پیغمبر

اسیرانِ بلا کا قافلہ لاشہ پہ جب آیا
تو حالت دیکھکر مظلوم کی ہر فرد چلاّیا

وہ حالت تھی کہ دل سب کے ہوئے بےچین لاشے پر
کئے مجبورِ غم ہو کر۔ ہزاروں بین لاشے پر

فاطمہ کبرا علیہا السلام کا بَین

حسینؑ ابنِ علیؑ کے بعد اب بےسُود ہے دُنیا
برستی ہے فلک سے خاک گرد آلود ہے دُنیا

نہ پہنچیں تاکہ نالے کربلا کے میہمانوں کے
کئے ہیں بند دروازے خدا نے آسمانوں کے

کہیں ایسا نہ ہو۔ اپنی دعا منظور ہو جائے — بلا نازل ہو کوئی۔ قوم بد مقہور ہو جائے

گذرتی ہے جو ہم پر کیا کہیں میدانِ غربت میں — بڑوں پر ایک آفت ہے۔ تو بچے ہیں مصیبت میں

نہیں معلوم آگے کیا مصیبت آنیوالی ہے — ستم کیا کیا ابھی یہ قوم ہم پہ ڈھانے والی ہے

زینب سلام اللہ علیہا کا بین

اے میرے جدِ امجد اے رسولِ حضرتِ باری — بس اب تو آپ نے دیکھا سلوک امتِ ناری

نواسہ ہے یہ تیرا جسکے اعضا پارہ پارہ ہیں — قیامت ہے کہ آثارِ قیامت آشکارا ہیں

یہ تیری بیٹیاں ہیں جو گرفتاروں میں شامل ہیں — برہنہ سر ہیں بے پردہ۔ گنہگاروں میں شامل ہیں

میں قرباں اس شہِ مظلوم پر جو دشتِ غربت میں — پڑا ہے۔ خاک پر مجروح۔ مجبوری کی حالت میں

میں قرباں اُس مسافر پر نہیں جو لوٹنے والا — ہے جس نے جا کے ڈیرہ جنت الفردوس میں ڈالا

میں قرباں اُس مجاہد پر۔ کہ جو تشنہ دہن ہو کر — عدو کی فوج سے لڑتا رہا کاہیدہ تن ہو کر

میں قرباں اس شہیدِ بے گنہ کے خونِ ناحق پر — کہ جس نے جان دی اور سر بھی اپنا دیدیا حق پر

میں قرباں اس نمازی پر۔ کہ ہنگامِ شہادت کو — رہا سجدے میں اور چھوڑا نہ خالق کی عبادت کو

میں اس زاہد پہ قرباں جو کہ پابندِ شریعت تھا
رضا جوئی مولا کے لئے محوِ عبادت تھا

میں اس خوددار کے قرباں نہ چھوڑی آن آخر تک
دکھا دی اپنے استقلال کی اک شان آخر تک

میں اس ملّاح کے قرباں کہ جسنے اک اشارے پر
لگایا کشتیِ دینِ محمدؐ کو کنارے پر

میں اُس محسن کے قرباں جس نے امت پر کیا احساں
نہ کی فاسق کی بیعت اور دکھا دی قوّتِ ایماں

میں اس صابر کے قرباں جس نے اپنے شیرخواروں کو
کیا قربان راہِ حق میں یعنی ماہ پاروں کو

میں قرباں اس ستم دیدہ کے جسنے نوجواں بھائی
نثارِ راہِ مولا کر دیئے - باصد شکیبائی

میں اُس مظلوم کے قرباں کہ جسنے نوجواں بیٹے
شہادت گاہ کو بھیجے - دلیر و کامراں بیٹے

میں قرباں اُس غیور انساں پہ جسنے وقتِ رحلت تک
نہیں آنے دیا دشمن کو خیمہ گاہِ عترت تک

میں اُس بسمل کے قرباں جسنے صدہا تیر کھائے ہیں
ہزاروں داغ کھائے سینکڑوں صدمے اٹھائے ہیں

میں قرباں اس غریب و بینوا پر جو کہ بیکس تھا
ہجومِ بیکسی چھایا ہوا تھا اور بے بس تھا

میں قرباں اُس پہ جسنے لاج رکھ لی دینِ احمدؐ کی
لڑا اعدا سے کی تعمیلِ احکامِ محمدؐ کی

میں قرباں اُس پہ جسنے موت کو اک مشغلہ جانا
شہادت کو حیاتِ چند روزہ کا صلہ جانا

میں قرباں اُس پہ جسکا غم رہیگا روزِ محشر تک
جہاں کی بزم میں ماتم رہیگا روزِ محشر تک

مسلمانوں سے خطاب

مسلمانو! تمہیں شبیرؑ سے الفت اگر کچھ ہے
تمہارے دل میں اُنکی عزت و حرمت اگر کچھ ہے

تو اُن کے ہر عمل سے معنیٔ درسِ عمل سیکھو
اور اپنی زندگی کے عقدۂ مشکل کا حل سیکھو

اگر اسلام پر ہونے لگیں اغیار کے حملے
خدا کے نام پر ہونے لگیں اغیار کے حملے

کرو اس کی حفاظت حضرتِ شبیر کی صورت
بنو تم سرخرو فرزندِ خیبر گیر کی صورت

نہ ہو جاؤ کبھی مرعوب تم باطل کی قوّت سے
کرو زیر و زبر باطل کو اپنے حق کی طاقت سے

کسی ظالم کے ظلم و جور سے ہرگز نہ گھبراؤ
ستم سہنے کی خاطر سامنے ظالم کے ڈٹ جاؤ

اطاعت مت کرو اسکی کہ جو ہو ظلم کا بانی
یہی فطرت کا ایما ہے۔ یہی ہے حکمِ ربّانی

نہیں محکوم مسلم فطرۃً آزاد ہے مسلم
اسی جوہر کے باعث دل میں اپنے شاد ہے مسلم

پہن سکتا نہیں ہرگز یہ محکومی کی زنجیریں
مقید رکھ نہیں سکتیں اُسے دنیا کی تدبیریں

ضمیرِ پاک کو آلائشوں سے پاک رکھتا ہے
نڈر ہے۔ بے دھڑک ہے۔ فطرتِ بیباک رکھتا ہے

اسے آتا ہے۔ دینِ پاک پر قربان ہو جانا
بروئے کفر سر سے پاؤں تک ایمان ہو جانا

مسلمانو۔ ذرا اپنے تئیں اتنا تو پہچانو، کہ تم مسلم ہو اپنی قوتِ ایمان کو مانو،
سلف کے کارنامے کیا بھلا بیٹھے ہو تم دل سے کہ اب تم ہو بھٹکتے پھر رہے ہو دور منزل سے

خدارا ہوش کی دارو کرو غفلت سے باز آؤ
جناب حضرتِ شبیر کے مسلک پہ آجاؤ

جلد اول ختم

کوفہ اور شام کے دردانگیز واقعات دوسری جلد میں ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

منیجر دفتر ”روح اسلام“ ملتان شہر